اہل سنت کون؟

حافظ ابویحییٰ نور پوری

امام محمد بن عبداللہ الضبی نیسابوری المعروف بابن البیع ابوعبداللہ المشہور بالحاکم (م ۴۰۵ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''معاویہ بن قرہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا، وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کر رہے تھے کہ آپ نے فرمایا، میری امت میں کچھ لوگ ہمیشہ منصور (غالب) رہیں گے، ان سے جدا ہونے والے قیامت تک ان کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔(سندہٗ صحیح وقال الترمذی (۲۱۹۲) : حسن صحیح وصححہ ابن حبان : ۷۳۰۳)

موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) رحمہ اللہ سے مذکورہ حدیث کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، اگر یہ طائفہ منصورہ اصحاب الحدیث نہیں تو میں نہیں جانتا کہ یہ کون لوگ ہیں؟(سندہٗ حسن)

اسی طرح کے لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جو سنت کو اپنا حاکم مان لیتے ہیں، وہ حق ہی بولتے ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں کیا خوب فرمایا ہے کہ طائفہ منصورہ اصحاب الحدیث ہی ہیں، بھلا اس کے مصداق ان لوگوں سے بڑھ کر اور کون ہو سکتے ہیں، جنہوں نے نیک لوگوں کی راہ اختیار کی، سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چلے اور مخالفین اہلِ بدعت کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے ساتھ کاری ضربیں لگائیں، جنہوں نے صحرا و بیابان علاقوں کے سفر کو نفسانی خواہشات سے محظوظ ہونے پر ترجیح دی، وہ اہلِ علم یعنی اہلِ حدیث کے ٹھکانوں کی طرف اپنے سفروں میں مشقت اور بھوک سے لطف اندوز ہوتے رہے، جنہوں نے روکھی سوکھی کھا کر اور پھٹے پرانے کپڑے زیبِ تن کر کے احادیث و آثار کو جمع کرنے پر قناعت کی، جنہوں نے اس الحاد و بے دینی کو چھوڑ دیا جس میں شہوانی نفوس رغبت کرتی ہیں، نیز اس الحاد کے ذیل میں آنے والی چیزوں، مثلاً بدعات، خرافات، باطل قیاسات، آراء اور گمراہیوں کو بھی خیر باد کہہ دیا، جنہوں نے مسجدوں کو اپنے گھر، ان کے ستونوں کو تکیے اور ان کی چٹائیوں کو اپنے بستر بنالیا۔

عمر بن حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ میرے والد حفص بن غیاث (م ۱۹۴ھ) سے پوچھا گیا، کیا آپ اصحاب الحدیث اور ان کے مشغلے (طلبِ حدیث) کو نہیں دیکھتے تو انہوں نے فرمایا، وہ تو تمام دنیا والوں سے بہتر لوگ ہیں۔(سندہٗ صحیح)

علی بن خشرم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ (م ۱۹۳ھ) کو یہ کہتے ہوئے سنا، میرے خیال میں اصحاب الحدیث تمام دنیا والوں سے بہتر لوگ ہیں، ان میں سے کوئی میرے دروازے پر قیام کیے رہتا ہے، حالانکہ اس نے مجھ سے احادیث سنی ہوتی ہیں، اگر وہ چاہے تو کہہ دے ابوبکر بن عیاش نے مجھے ساری احادیث سنادی ہیں، لیکن یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔(سندہٗ حسن)

ان دونوں اماموں (حفص بن غیاث اور ابوبکر بن عیاش رحمہما اللہ) نے سچ فرمایا ہے کہ اصحاب الحدیث پوری دنیا سے بہتر لوگ ہیں، کیونکہ انہوں نے ساری دنیا کو پسِ پشت ڈال دیا اور حدیث کو لکھنا اپنی غذا بنالیا ہے، انہوں نے آپس میں احادیث سنانے کو اپنی بات چیت، سیاہی کو اپنی خوشبو، بےخوابی کو اپنی نیند، دھوپ کو اپنی روشنی اور پتھروں کو اپنے تکیے بنالیا، چنانچہ عالی سندوں کی تلاش میں ملنے والے مصائب ان کے لیے آسودگی کا باعث ہوتے ہیں اور حدیث کی عدمِ طلب میں ملنے والی آسودگی ان کے لیے مشقت ثابت ہوتی ہے، ان کی عقلیں سنت کی لذت میں غوطہ زن ہیں، ان کے دل ہر حال میں رضا سے معمور رہتے ہیں، سنتوں کا سیکھنا ان کے لیے سرور اور علم کی مجالس ان کے لیے دل کا نور ہیں، تمام اہلِ سنت ان کے بھائی اور تمام ملحدین اہلِ بدعت ان کے دشمن ہیں۔''

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم : ۲۔۳)

ماہنامہ السنۃ　شمارہ نمبر 7　مئی 2009ء ، جمادی اولیٰ 1430ھ

کوئی صحیح حدیث قرآن کے خلاف نہیں

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

دین کی اساس اور بنیاد وحی پر ہے، وحی قرآن و حدیث کا نام ہے، جیسا کہ

۱☆ اللہ رب العزت کا فرمانِ گرامی ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ☆ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى﴾(النجم: ۳۔۴)

''اور آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، وہ تو وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے۔''

اس آیتِ کریمہ کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دین کے بارے ساری کی ساری باتیں اللہ کی وحی ہیں۔

علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ (م ۴۵۶ھ) اس آیتِ کریمہ کو دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

فصحّ لنا بذٰلک أنّ الوحی ینقسم من اللّٰہ عزّ وجلّ الی رسولہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم علی قسمین ....

''اس سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کی طرف کی گئی وحی دو قسموں پر مشتمل ہوتی ہے۔'' (الاحکام فی اصول الاحکام: ۱/ ۱۰۸) پھر آپ رحمہ اللہ نے قرآن و سنت کا ذکر کیا۔

۲☆ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾(البقرۃ: ۲۳۱)

''اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور جو کتاب و سنت تم پر نازل کی گئی ہے (اسے بھی یاد کرو) جس کے ساتھ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو بطورِ خاص یاد کرو کہ اس نے تمہاری طرف ہدایت اور روشن نشانیوں کے ساتھ رسول بھیجا اور اس نے تمہاری طرف کتاب و سنت کی صورت میں وحی اتاری ہے، وہ اس وحی کے ذریعہ اچھائی اور بھلائی کا حکم دیتا ہے، حرام اور ناجائز کاموں سے منع کرتا ہے اور حرام کاموں کے ارتکاب پر وعید سنا کر وعظ کرتا ہے، حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے یہاں حکمت سے مراد سنت لی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ۱/ ٥٦٤)

☆۳ نیز فرمایا:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ﴾ (الاحزاب: ٣٤)

''اور تم (اے ازواج النبی!) ان آیات وحکمت کو یاد کرو جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں۔''

مشہور مفسر امام قتادہ تابعی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد سنت ہے۔ (السنة لمحمد بن نصر المروزی: ۱۱۲، وسندہٗ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ (م۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

فسمعت من أرضىٰ من أهل العلم بالقرآن ، فيقول : الحكمة سنّة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، وهذا يشبه ما قال ، والله اعلم ، لأنّ القرآن ذكر وأتبعته الحكمة ، وذكر الله منه على خلقه بتعليمهم الكتاب والحكمة ، فلم يجز الله ، والله أعلم ، أن يقال : الحكمة هاهنا الّا سنّة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم .

''میں نے اس شخص کو سنا جو میرے نزدیک قرآنِ کریم کا عالم ہے، وہ فرمارہے تھے کہ حکمت سے مراد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، ان کی یہ بات درست ہے، واللہ اعلم! کیونکہ قرآن کا ذکر کر کے بعد میں حکمت کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر کیا ہے کہ اس نے کتاب وحکمت کے ساتھ ان کو تعلیم دی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہاں حکمت سے مراد سنت کے علاوہ کچھ اور لینا جائز قرار نہیں دیا، **واللہ اعلم!**'' (الرسالة للشافعی: ص ۷۸)

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ (م۲۹۴ھ) فرماتے ہیں:

فتأوّلت العلماء أنّ الحكمة هاهنا هى السّنّة ، لأنّه قد ذكر الكتاب ، ثمّ قال : والحكمة ، ففصل بينهما بالواو ، فدلّ ذلك على أنّ الحكمة غير الكتاب ، وهى : ما بيّن الرّسول صلّى الله عليه وسلّم ممّا لم يذكر فى الكتاب ، لأنّ التّأويل ان لم يكن كذلك ، فيكون كأنّه قال : وأنزل عليك الكتاب والكتاب ، وهذا يبعد .

''علمائے کرام نے تفسیر کی ہے کہ یہاں حکمت سے مراد سنت ہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو ذکر کیا، پھر فرمایا، اور حکمت، چنانچہ دونوں کے درمیان واؤ سے فاصلہ کیا، اس سے معلوم ہوا کہ حکمت کتاب کے علاوہ اور چیز ہے، وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی بیان ہے جو قرآنِ کریم میں موجود نہیں، (یہی تفسیر

درست ہے)، کیونکہ اگر اس طرح نہ ہوتو پھر مطلب یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اور کتاب نازل کی اور یہ بات (فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اللہ کے حق میں) بعید ہے۔'' (السنة : ص ۱۱۵)

ان دو آیات میں حکمت سے مراد سنت ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے کتاب یعنی قرآن کے ساتھ نازل فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یعنی وحی ہے۔

☆۴ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوحٰی اِلَیَّ﴾ (الاحقاف : ۹)

''نہیں میں پیروی کرتا مگر اس چیز کی جو مجھ پر وحی کی گئی ہے۔''

یہاں بھی وحی سے مراد قرآن وحدیث ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (البقرة : ۱۲۹، آل عمران : ۱٦٤، الجمعة : ۲)

''آپ ان کو کتاب وسنت کی تعلیم دیتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ وضو سے لے کر جہاد تک ہر عبادت کا طریقہ اور اس کے احکام ومسائل اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہیں، بلکہ یوں کہہ دیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال وافعال واحوال وحی سے ہیں۔

حدیث وحی ہے

وحی یعنی قرآن وحدیث خاص اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے محفوظ ہیں، جیسا کہ:

☆۱ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر : ۹)

''ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن وحدیث) نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ اس آیتِ کریمہ سے سنت کے وحی ہونے کی دلیل لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فصحّ بذٰلک أنّ کلامه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کلّه محفوظ بحفظ اللّٰه عزّ وجلّ ، مضمون لنا أنّه لا یضیع منه شیٔ ، فهو منقول الینا کلّه ، فللّٰه الحجّة علینا أبدا .

''اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرامین اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے محفوظ ہیں، ہمیں ضمانت دے دی گئی ہے کہ اس میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی، لہٰذا وہ پوری کی پوری ہم تک پہنچ گئی ہے اور ہمیشہ کے لیے ہم پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو گئی ہے۔'' (الاحکام لابن حزم : ۱/ ۱۱۰)

قرآن وحدیث دونوں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہیں، قرآنِ مجید میں خطبۂ جمعہ کو بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کہا گیا ہے، جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾(الجمعة : ۹)

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو جلدی سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف آؤ۔''

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبۂ جمعہ بھی حدیث تھا، جیسا کہ سیدنا ابو بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يخطبنا ، فجاء الحسن والحسين ، عليهما قميصان أحمران ، يمشيان ويعثران ، فنزل رسول الله صلّى الله عليه وسلّم من المنبر ، فحملهما ، فوضعهما بين يديه ، ثمّ قال : صدق الله ورسوله : ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (التغابن : ۱۵) نظرت الى هذين الصّبيّين ، يمشيان ويعثران ، فلم أصبر حتى قطعت حديثي ورفعتهما .

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ ارشاد کر رہے تھے کہ سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے، وہ دونوں سرخ قمیصیں پہنے ہوئے تھے، چل رہے تھے اور گر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور ان دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا دیا، پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے:

﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾(التغابن : ۱۵) ''یقیناً تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔''

میں نے ان دونوں بچوں کی طرف دیکھا کہ وہ چل رہے ہیں اور گر رہے ہیں تو میں صبر نہ کر سکا، حتیٰ کہ میں نے اپنی حدیث ختم کر کے ان دونوں کو اٹھا لیا۔''(مسند الامام احمد : ۵ /۳۵٤، وسندهٔ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ (۳۷۷۴) نے ''حسن غریب'' اور امام ابنِ خزیمہ (۱۴۵۶، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲) و امام ابنِ حبان (۶۰۳۸، ۶۰۳۹) رحمہما اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے امام مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

ثابت ہوا کہ حدیثِ رسول بھی ذکر ہے، ذکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھا رکھا ہے۔

تا قیامت حدیث اسوۂ رسول ہے

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(الاحزاب : ۲۱)

''یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں اسوۂ حسنہ ہے۔''

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ رسول کا اسوۂ حسنہ آپ کی سنت اور طریقے کا نام ہے جو رب تعالیٰ کی

مراد کے موافق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نمونہ تا قیامت محفوظ ہے، یہ دلیل ہے اس بات کی قرآن، حدیث میں کوئی اختلاف نہیں۔

جب قرآن وحدیث وحی ہیں اور قیامت تک وحی ہیں تو ان کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا، حق حق کے ساتھ کس طرح ٹکرا سکتا ہے، وحی سے دو ثابت شدہ دلیلیں ایک دوسرے کی نقیض کیسے ہو سکتی ہیں؟ خوب یاد رہے کہ قرآن وحدیث کی بعض نصوص میں ظاہری تعارض ہے، نفسِ امر اور حقیقت میں کوئی تعارض نہیں، جس طرح قرآنِ کریم کی بعض آیات بینات ظاہری طور پر باہم متعارض ہیں، جبکہ درحقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں، جب قرآن کا ظاہری تعارض رفع ہو سکتا ہے، ان باہم متعارض نصوص کے درمیان جمع وتطبیق ممکن ہے تو احادیث کا باہم تعارض کیوں رفع نہیں ہو سکتا، ان کے درمیان جمع وتطبیق ممکن کیوں نہیں؟

قرآن وحدیث کی نصوص میں تعارض کے اسباب

۱☆ قرآن وحدیث کی نصوص میں عام وخاص، مطلق ومقید اور استثناء کا مسئلہ ہوتا ہے، دیکھنے والے کے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ یہ تعارض اور ٹکراؤ ہے، جبکہ درحقیقت یہ تعارض نہیں ہوتا۔

۲☆ قرآن کا حکم عام ہوتا ہے، حدیث اس میں تخصیص کر رہی ہوتی ہے یا قرآن کے عام حکم سے حدیث ایک چیز کو مستثنیٰ قرار دے رہی ہوتی ہے، اسی طرح قرآن کے اطلاق کی حدیث تقیید بھی کر دیتی ہے۔

۳☆ قرآن وحدیث کی نصوص کے درمیان ظاہری تعارض کا ایک سبب لغتِ عرب سے ناواقفیت اور جہالت ہے، قرآن وحدیث عربی زبان میں نازل ہوئے ہیں جو عربی زبان سے ناواقف ہوگا اور قرآن و حدیث میں اختلاف کر لے گا۔

۴☆ ایک روایت کو ایک راوی پورا بیان کر دیتا ہے، دوسرا مختصر بیان کرتا ہے، تیسرا راوی روایت کا بعض حصہ بیان کرتا ہے، بعض بیان نہیں کرتا، دیکھنے والا کسی ایک راوی کے الفاظ کو قرآن کے مخالف کہہ دیتا ہے، حالانکہ جب یہ معلوم ہو جائے تو قرآن وحدیث کی نصوص کا اختلاف وتعارض رفع ہو جاتا ہے۔

۵☆ ایک سبب یہ بھی ہے کہ ایک راوی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے متعلق سوال کا جواب نقل کرتا ہے، لیکن سوال ذکر نہیں کرتا، جبکہ اس سوال سے ہی اس جواب کی حقیقت واضح ہوتی ہے، اس سے بھی قرآن وحدیث کا ظاہری تعارض واختلاف دور ہو جاتا ہے۔

۶☆ ناسخ ومنسوخ سے عدمِ واقفیت بھی قرآن وحدیث میں تعارض کا باعث ہے، آیت ناسخ اور حدیث

منسوخ یا بسا اوقات حدیث ناسخ اور آیت منسوخ ہوتی ہے، جب یہ معلوم ہو جائے تو قرآن وحدیث ظاہری تعارض رفع ہو جاتا ہے۔

تفصیل کے لیے امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب **الرّسالة** (ص: ۵۲، ۵۳، ۲۱۳، ۲۱۵) **ملاحظہ فرمائیں۔**

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ولم نجد عنه صلّى اللّٰه عليه وسلّم شيئاً مختلفاً ، فكشفناه ، الّا وجدنا له وجهاً ، يحتمل به ألّا يكون مختلفاً .**

''ہم نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی متعارض ومختلف چیز نہیں دیکھی، (اگر کوئی ظاہری طور پر متعارض محسوس ہوئی) اور ہم نے اس کو کھول کر دیکھا تو اس کے لیے تعارض کے ختم ہونے کی کوئی صورت مل ہی گئی۔'' (الرسالة: ص ۲۱٦)

نیز فرماتے ہیں:

وأن يعلم أنّ أحكام اللّٰه ، ثمّ أحكام رسوله لا تختلف ، وأنّها تجري على مثال واحد .

''یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام مختلف ومتعارض نہیں ہوتے، بلکہ ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔'' (الرسالة: ۱۷۳)

علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ويبيّن صحّة ما قلنا من أنّه لا تعارض بين شئ من نصوص القرآن ونصوص كلام النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم وما نقل من أفعاله ، قول اللّٰه عزّوجلّ مخبرا عن رسوله عليه السّلام : ﴿وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ☆ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى﴾(النجم: ٣-٤)

''ہم نے جو کہا ہے کہ قرآنِ کریم اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال میں کوئی تعارض نہیں، اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ☆ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى﴾(النجم: ٣-٤) (وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے)۔ (الاحكام: ۲ /۲۰٤)

قرآن وحدیث کے مابین تعارض کی مثال

۱☆ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: **﴿حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ﴾**(المائدة: ٣) ''تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے۔''

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: **ماتت شاة ، فقال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم لأهلها : ألا نزعتم جلدها ، ثمّ دبغتموه فاستمتعتم به .**

''ایک بکری مرگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالکان سے فرمایا، تم نے اس کی کھال کیوں نہیں اتار لی کہ پھر اسے دباغت دے کر اس سے فائدہ اٹھاتے۔''

(سنن ترمذی: ۱۷۲۷، وقال: حسن صحیح، وصححه ابو عوانه: ٤٢٣، وسندهٔ صحیح)

قرآن کا حکم مردار کے جمیع افراد کو شامل ہے، حدیث نے اس کو کھانے کے ساتھ خاص کر دیا ہے، یعنی حلال جانور جو مردار ہو جائے، کھایا نہیں جا سکتا، لیکن اس کے چمڑے کو دباغت (رنگ) دے کر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

☆۲ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿**يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِيۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ**﴾ (النساء: ۱۱)

''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے۔''

یہ آیت عام ہے، اس کی تخصیص اس حدیثِ نبوی کے ساتھ کر دی گئی ہے:

لا يرث المسلم الكافر ، ولا الكافر المسلم .

''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔''

(صحیح بخاری: ۱/ ۱۰۰۱، ح: ٦٧٦٤، صحیح مسلم: ۲/ ۳۳، ۱٦۱٤)

☆☆..........☆☆..........☆☆

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ

انتہائی افسوس ناک خبر ہے کہ ہمارے فاضل بھائی مولانا ضیاء الرحمٰن سعید حفظہ اللہ مدرس جامعہ امام بخاری صادق آباد و مدیر مکتبہ اثریہ صادق آباد کے والدِ محترم محمد سعید صاحب 16 اپریل بروزِ جمعرات بقضائے الٰہی وفات پا گئے، مرحوم پکے مؤحد اور انتہائی نیک، صالح انسان تھے، اللہ تعالیٰ ان کی بشری لغزشوں سے درگزر کر کے ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کی اولاد کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنا دے۔ آمین!

جانے والے پیچھے رہ جانے والوں سے بھلا کیا مانگتے ہیں؟ وہ تو صرف بعد والوں کی دعاؤں کے ضرورتمند ہوتے ہیں، لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ وہ ہمارے محترم بھائی کے والدِ محترم کے لیے خصوصی دعائے مغفرت فرما دیں۔ جزاکم اللہ خیراً۔

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

رفع ونزولِ عیسیٰ علیہ السلام

مسلمانوں کا یہ اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھایا گیا ہے، قربِ قیامت آپ اتریں گے، دجال کو قتل کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ آپ کو موت دے گا، آپ پر مسلمان نمازِ جنازہ پڑھیں گے اور آپ کو دفن کریں گے۔

امامِ اہلِ سنت والجماعت ابوالحسن علی بن اسماعیل بن اسحاق الاشعری رحمہ اللہ (م ۳۳۰ھ) ارشاد کرتے ہیں: **وأجمعت الأمة علیٰ أنّ اللّٰه عزّوجلّ رفع عیسیٰ علیه الصّلاة والسّلام الی السّماء .**

''امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر (زندہ) اٹھا لیا ہے۔'' (کتاب الابانة عن اصول الدیانة لابی الحسن الاشعری : ٤٦)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

وأمّا رفع عیسیٰ فاتّفق أصحاب الأخبار والتّفسیر علی أنّه رفع ببدنه حیّاً .

''تمام محدثین و مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بدن کے ساتھ زندہ اٹھا لیا گیا ہے۔'' (التلخیص الحبیر : ٢١٤/٣)

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿**اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ**﴾ (آلِ عمران : ٥٥)

مفهوم نمبر ۱:

''جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے عیسیٰ! میں تجھے زمین سے قبض کر کے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔''

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأولی هٰذه الأقوال بالصّحة عندنا قول من قال : معنی ذٰلک انّی قابضک من الأرض ورافعک الیّ لتواتر الأخبار عن رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم أنّه قال : ینزل عیسیٰ ابن مریم، فیقتل الدّجال .

''ہمارے نزدیک صحیح تر قول ان کا ہے جو اس کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام)! میں تجھے زمین سے قبض کر کے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے نازل ہونے اور ان کے دجال کو قتل کرنے کی متواتر احادیث موجود ہیں۔''

(تفسیر طبری: ۳/ ۲۹۱)

مفهوم نمبر ۲ :

''جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے عیسیٰ! میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔'' کسی چیز کے پورا پورا لینے کو ''تَوَفِّی'' کہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر: ۸/ ۷۲)

مراد یہ ہے کہ میں آپ کو پورا پورا یعنی روح اور جسم کے ساتھ لینے والا ہوں اور اپنی طرف (زندہ) اٹھانے والا ہوں۔

مفہوم نمبر ۳ :

(ا) مطر الورّاق کہتے ہیں: **متوفّیک من الدّنیا ولیس بوفات موت .**

''میں تجھے دنیا سے فوت کروں گا (پورا پورا لے لوں گا)، لیکن یہ وفات (پورا پورا لینے کی کیفیت) موت والی نہیں ہوگی۔'' (تفسیر طبری: ۳/ ۲۹۱، وسندہٗ صحیح)

(ب) امام ابنِ جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **رفعه ایّاہ ، توفیته ایّاہ .**

''اللہ کا عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھانا، ان کو پورا پورا لینا ہی تو ہے۔'' (تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۵۸۶، وسندہٗ صحیح)

اس مفہوم کے مطابق ''ورافعک الیّ'' عطفِ تفسیر ہے ''انّی متوفّیک'' پر۔

مفہوم نمبر ٤ :

''جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے عیسیٰ! میں تجھے سلانے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔''

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقال الأکثرون : المراد بالوفاة ھھنا النّوم ، کما قال تعالیٰ : ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ﴾ (الانعام: ٦٠) **وقال تعالیٰ : ﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا﴾** (الزمر: ٤٢) **وکان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یقول اذا قام من النّوم : الحمد للّٰه الّذی أحیانا بعد ما أماتنا والیه النّشور .** (صحیح البخاری: ٦٣١٢)

''اکثر مفسرین کا یہ کہنا ہے کہ یہاں وفات سے مراد نیند ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ﴾ (الانعام: ٦٠) (وہی ذات ہے جو تمہیں رات میں فوت کرتا ہے)، نیز فرمایا: ﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا﴾ (الزمر: ۴۲) (اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت فوت

کرتا ہے اور جونہیں مرتیں ان کو ان کی نیند میں فوت کرتا ہے) اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے :

الحمد للّٰہ الّذی أحیانا بعد ما أماتنا والیه النّشور . (صحیح البخاری : ٦٣١٢)

(تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں نیند کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے) ۔''

(تفسیر ابنِ کثیر : ٢/ ٤٢)

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرمانِ باری تعالیٰ ﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ﴾ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں :

یعنی وفاۃ المنام ، رفعه اللّٰہ فی منامه . ''مراد نیند والی وفات ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیند میں اٹھالیا۔'' (تفسیر ابن ابی حاتم بحوالہ تفسیر ابنِ کثیر : ٤٢/٢، وسندہٗ حسن)

تنبیه : اگر کوئی یہ کہے کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے ''متوفّیک'' کا معنیٰ کیا ہے ''ممیتک''، یعنی میں تجھے موت دینے والا ہوں۔

(صحیح بخاری : ٢/ ٦٦٥ سطر نمبر ٩، قبل حدیث : ٤٦٢٣ ، تفسیر ابن ابی حاتم : ٣٥٨٠، تفسیر طبری : ٣/ ٢٩١)

تبصره : یہ قول سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں، کیونکہ اس کی سند ''انقطاع'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، علی بن ابی طلحہ راوی کا سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ''سماع'' نہیں ہے۔

امام ابوحاتم الرازی کہتے ہیں کہ میں نے امام دُحَیم سے سنا، آپ نے فرمایا:

لم یسمع علیّ بن أبی طلحة من ابن عباس التّفسیر .

''علی بن ابی طلحہ نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر نہیں سنی۔'' (الجرح والتعدیل : ٦/١٨٨)

امام ابوحاتم الرازی (المراسیل لابن ابی حاتم : ١٤٠) **اور امام ابن ابی حاتم** (الجرح والتعدیل : ٦/ ١٨٨) **نے اس کی ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کو ''مرسل'' قرار دیا ہے۔**

حافظ مزّی رحمہ اللہ (٦٥٤-٧٤٣ھ) نے بھی اسے ''مرسل'' کہا ہے۔ (تہذیب الکمال : ١٣/ ٣٠٧)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **انّ علیّ بن أبی طلحة لم یسمع من ابن عبّاس .**

''یقیناً علی بن ابی طلحہ نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نہیں سنا۔'' (مجمع الزوائد : ١٠/ ١٨)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **أرسل عن ابن عبّاس ولم یره .**

''اس نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مرسل روایات بیان کی ہیں، آپ کو دیکھا نہیں۔'' (التقریب:٤٧٥٤)

لہٰذا اس ''ضعیف'' قول سے حجت نہیں لی جا سکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ''واؤ'' ترتیب کے لیے نہیں آتا، بلکہ معطوف اور معطوف الیہ کی مشارکت بتانے کے لیے آتا ہے، جیسے :جاء زيدٌ وعمرٌو . ''زید اور عمرو آئے''۔ آنے کے عمل میں دونوں شریک ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ زید پہلے آیا ہے یا عمرو۔

لہٰذا اس آیت کا صحیح و متواتر احادیث اور اجماعِ امت کی روشنی میں یہ ترجمہ کیا جائے گا:

''میں تجھے (زمین پر نازل ہونے کے بعد) موت دینے والا ہوں اور (وفات سے پہلے) اپنی طرف (زندہ آسمان پر) اٹھانے والا ہوں۔'' خوب یاد رہے کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قائل ہیں۔(تفسیر طبری: ۲۵ /٤٥، وسندہٗ حسن)

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

اہلِ سنت والجماعت کا یہ اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے، قیامت کے قریب وہ آسمان سے اتریں گے، اس کے بعد وفات پائیں گے، مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے، اس عقیدہ کے ثبوت پر قرآنِ مجید کی دو آیاتِ بینات، احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت موجود ہیں۔

حافظ سیوطی (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

امّا نفي نزول عيسٰى عليه السّلام أو نفي النّبوّة عنه ، و كلاهما كفر .

''عیسیٰ علیہ السلام کے (آسمان سے) نازل ہونے یا ان کی نبوت کی نفی، یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔''

(الحاوی للفتاوی: ۲ /١٦٦)

قرآنی دلیل نمبر ۱:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ☆ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾(الزخرف: ٦١-٦٢)

''یقیناً وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہیں، اس نشانی کے وقوع میں شک مت کرو (یہ لامحالہ واقع ہوگی)، (اس خبر کے بارے میں) میرا کہا مانو، یہی سیدھا راستہ ہے، تمہیں شیطان (عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حق کے اتباع سے) ہرگز نہ روکے، وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔''

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی یہ تفسیر بیان فرماتے ہیں:

خروج عیسیٰ علیه السّلام قبل یوم القیامة . ''قیامت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کا خروج (مراد ہے)۔''

(صحیح ابن حبان: ٦٨٧٨، مسند الامام احمد: ١/ ٣١٨، المستدرك للحاكم: ٢/ ٢٥٤، ح: ٣٠٠٣، وسندهٗ حسن وصححه الحاكم ووافقه الذهبی)

اس کے راوی ابورزین اور ابویحییٰ مصدع کو حافظ ابنِ حجر نے ثقہ قرار دیا ہے (موافقة الخبر الخبر: ١٧٤/٢)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) اس آیت میں ''وانّهٗ'' کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں لکھتے ہیں: **بل الصّحیح أنّه عائد علیٰ عیسیٰ ، فانّ السّیاق فی ذکره ، ثمّ المراد بذٰلک قبل یوم القیامة .**

''بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے، کیونکہ سیاق میں انہی کا ذکر ہے، پھر اس (نشانی یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول) سے مراد قیامت سے پہلے ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر: ٥/ ٥٣٠، تحقیق عبدالرزاق مهدی)

مشہور سنّی مفسر امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقالوا : معنی الکلام : وانّ عیسیٰ ظهورهٗ علم یعلم به مجیء السّاعة ، لأنّ ظهورهٗ من أشراطها ونزوله الی الأرض دلیل علی فناء الدّنیا واقبال الآخرة .

''مفسرین نے اس آیت کا معنیٰ یوں بیان کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ایک نشانی ہے جس کے ذریعہ قیامت کی آمد معلوم ہوگی، کیونکہ ان کا ظہور قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اور آپ کا زمین پر نزول دنیا کے فنا ہونے اور آخرت کے آپہنچنے کی دلیل ہے۔'' (تفسیر طبری: ٢٥/ ٥٤)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **نزول عیسی ابن مریم .**

''اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے۔'' (تفسیر طبری: ٢٥/ ٥٤، وسندهٗ حسن)

امام قتادہ رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں: **نزول عیسی ابن مریم علم للسّاعة .**

''عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی نشانی ہے۔'' (تفسیر طبری: ٢٥/ ٥٤، وسندهٗ صحیح)

مشہور مفسر امام اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمہ المعروف ''السدی'' اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **خروج عیسی ابن مریم قبل یوم القیامة .**

''یہاں سے مراد قبلِ قیامت عیسیٰ علیہ السلام کا خروج (ظہور ونزول) ہے۔'' (تفسیر طبری: ٢٥/ ٥٤، وسندهٗ حسن)

اس مفہوم وتفسیر کی تائید احادیثِ صحیحہ سے بھی ہوئی ہے، جیسا کہ:

۱☆ سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم آپس میں مذاکرہ کر رہے تھے، آپ نے فرمایا، کیا مذاکرہ کر رہے ہو؟ ان حاضرینِ مجلس نے عرض کی، ہم قیامت کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّها لن تقوم حتّى ترون قبلها عشر آيات ، فذكر الدّخان والدّجّال والدّابة وطلوع الشّمس من مغربها ونزول عيسى ابن مريم صلّى اللّه عليه وسلّم ويأجوج ومأجوج وثلاثة خسوف : خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزيرة العرب وآخر ذٰلک نار تخرج من اليمن تطرد النّاس الى محشرهم .

''قیامت ہرگز قائم نہیں ہو گی جب تک اس سے پہلے دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں، پھر آپ نے (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا نزول (۶) یاجوج ماجوج کا خروج (۷) تین مقامات سے خسف (زمین کا نیچے دھنس جانا)، مشرق کا خسف (۸) مغرب کا خسف (۹) جزیرۂ عرب کا خسف (۱۰) اوران سب سے آخری (نشانی کے طور پر) یمن سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو ان کے محشر کی طرف ہانک لائے گی۔'' (صحیح مسلم: ۲/ ۳۹۳، ح: ۲۹۰۱)

یہ حدیث نصِ صریح ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی نشانیوں میں سے نشانی ہے۔

۲☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تقوم السّاعة حتى ينزل عيسى ابن مريم فى الأرض حكما عدلا وقاضيا مقسطا ، فيكسر الصّليب ويقتل الخنزير والقرد ، وتوضع الجزية وتكون السّجدة كلّها واحدة للّه ربّ العالمين .

''اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی، جب تک عیسیٰ بن مریم زمین پر امامِ عدل اور قاضیٔ منصف کی حیثیت سے نہیں اتریں گے، آپ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر اور بندر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کر دیا جائے گا، سجدہ صرف اللہ رب العالمین کو ہوگا۔'' (المعجم الاوسط للطبرانی: ۲/ ۲۰۳۔۲۰۴، ۱۳۶٤، وسندہٗ حسن)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''**لا بأس به**'' کہا ہے۔ (فتح الباری: ٦/ ٤٩١)

یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت آسمان سے زمین پر اتریں گے، آپ قیامت کی واضح نشانی ہیں، ان دو احادیثِ مبارکہ سے آیتِ کریمہ کا مطلب واضح ہو جاتا ہے، اس پر خود نبیٔ اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم، صحابیٔ رسول، ترجمانِ قرآن سیدنا ابنِ عباس، امام قتادہ تابعی اور امام سدی کی تصریحات ''نُــــوْرٌ عَلٰی نُوْر'' ہیں۔

قرآنی دلیل نمبر ۲:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ﴿وَّبِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ☆ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ☆ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ☆ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ (النساء: ۱۵٦۔۱۵۹)

''(یہ سزا) ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے، حالانکہ انہوں نے آپ (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا، نہ ہی وہ آپ کو سولی دے سکے ہیں، بلکہ ان کو شبہ ڈال دیا گیا تھا اور جن لوگوں نے (اس میں) اختلاف کیا ہے، وہ اس بارے میں شک میں ہیں، ان کو کوئی علم نہیں، سوائے ظن کی پیروی کے، اور انہوں نے آپ کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے، یہود و نصاریٰ ضرور بالضرور عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے آپ پر ایمان لے آئیں گے اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے۔''

﴿قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ میں ''ہٖ'' ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لو أنّ يهوديّا وقع من فوق هٰذا البيت ، لم يمت حتّٰى يؤمن به يعني بعيسىٰ .

''اگر کوئی یہودی اس گھر کی چھت کے اوپر بھی ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے قبل فوت نہ ہوگا۔'' (تفسیر طبری: ٦/ ١٤، وسندہٗ صحیح)

ابو رجاء محمد بن یوسف الازدی (ثقہ) امام حسن بصری رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں:

قبل موت عيسىٰ ، واللّٰه ! انّه الآن لحيّ عنداللّٰه ، ولكن اذا نزل آمنوا به أجمعون .

''یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے (سب یہودی و عیسائی ان پر ایمان لے آئیں گے)، اللہ کی

قسم! آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں، لیکن جب آپ نازل ہوں گے تو لوگ ان پر ایمان لے آئیں گے۔''
(تفسیر طبری : ٦ /١٤، وسندہٗ صحیح)

امام مالک بن غزوان غفاری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ذٰلک عند نزول عیسی ابن مریم ، لا یبقیٰ أحد من أهل الکتاب الّا لیؤمننّ به .

''یہ عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کے نزول کے وقت ہوگا کہ کوئی یہودی وعیسائی باقی نہیں رہے گا مگر آپ پر ایمان لے آئے گا۔'' (تفسیر طبری : ٦ /١٤ ، وسندہٗ صحیح)

جویریہ بن بشیر (ثقہ) کہتے ہیں: **سمعت رجلاً قال للحسن : یا أبا سعید ! قول اللّٰه عزّوجلّ: ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ قال : قبل موت عیسیٰ ، انّ اللّٰه رفع الیه عیسیٰ وهو باعثه یوم القیامة مقاما یؤمن به البرّ والفاجر .**

''میں نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ امام حسن بصری رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کر رہا تھا: ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ آپ نے فرمایا، یقیناً اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا ہے اور وہ آپ کو قیامت کے دن ایسے مقام پر پہنچائے گا کہ نیک و بد آپ پر ایمان لے آئیں گے۔'' (تفسیر ابن ابی حاتم : ٦٢٥١ ، وسندہٗ صحیح)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اس سے عیسیٰ علیہ السلام ہی مراد لیتے ہیں۔ (مسائل احمد بروایة عبداللہ : ص ٤٤١)

امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وأولی الأقوال بالصّحة والصّواب قول من قال: تأویل ذٰلک : وان من أهل الکتاب الّا لیؤمننّ بعیسیٰ قبل موت عیسیٰ .**

''زیادہ قرینِ صحت وصواب اسی کی تفسیر ہے جو کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے سارے اہلِ کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے۔'' (تفسیر طبری : ٣ /٢٠٤)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **هو الصّحیح .** ''یہی قول صحیح ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر : ٢ /٤١٣)

نیز فرماتے ہیں: **وهٰذا القول هو الحقّ .** ''یہی قول حق ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر : ٢ /٤١٢)

حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اسی معنیٰ ومفہوم کی مؤید ہے۔

(صحیح بخاری : ٢ /٤٩٠، ح : ٣٤٤٨، صحیح مسلم : ١ /٨٧، ح : ١٥٥)

☆☆..........☆☆..........☆☆

دورانِ خطبہ آنے والا دو رکعتیں پڑھے گا (۲)

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

دلیل احناف نمبر ٤ :

جناب محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی حیاتی صاحب کہتے ہیں:

''اور دارقطنی کی ح ۱۶۹ ا ج ا روایت میں ہے کہ جب تک وہ نماز پڑھتا رہا آپ نے خطبہ روک دیا: **وأمسک عن الخطبة حتى فرغ من صلوته.** (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نماز سے فارغ ہونے تک خطبہ سے رک گئے)'' (خزائن السنن : ۱۷۱/۲)

تبصرہ :

صفدر صاحب کی پیش کردہ روایت نقل کرنے کے بعد امام دارقطنی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

أسند هذا الشّيخ عبيد بن محمد العبدى ، عن معتمر ، عن أبيه ، عن قتادة ، عن أنس ووهم فيه والصّواب عن معتمر ، عن أبيه مرسل ، كذا رواه أحمد بن حنبل وغيره عن معتمر .

''شیخ عبید بن محمد عبدی رحمہ اللہ نے اس روایت کو قتادہ رحمہ اللہ کے واسطے سے مسند بیان کیا ہے، یہ ان کا وہم ہے، درست بات یہ ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ کے واسطے کے بغیر ہے لہٰذا مرسل ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دوسرے محدثین نے اس روایت کو معتمر سے ایسے ہی مرسل بیان کیا ہے۔'' (سنن دار قطنی : ۲/ ۱۴-۱۵)

یہ روایت چونکہ مرسل ہے، لہٰذا ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہے۔

دلیل نمبر ٥ :

صفدر صاحب کہتے ہیں:

وكذا فی مسند بن أبی شيبة عن محمّد بن قيس أمسک عن الخطبة حتى فرغ.

''اسی طرح مسند ابن ابی شیبہ میں محمد بن قیس سے روایت ہے کہ آپ اس کے (دو رکعتوں سے) فارغ ہونے تک خطبہ سے رک گئے تھے۔'' (خزائن السنن : ۱۷۱/۲)

تبصرہ :

امام دارقطنی رحمہ اللہ اسی روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هذا مرسل لا تقوم به الحجّة ، وأبو معشر اسمه نجيح وهو ضعيف.

''یہ مرسل ہے، اس کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوسکتی، ابومعشر کا نام نجیح ہے اور وہ ضعیف ہے۔''

(سنن دار قطنی : ۲/۱۵)

دلیل نمبر ٦ :

سرفراز صفدر صاحب مزید لکھتے ہیں:

أو كان قبل شروعه فی الخطبة و خرّجه النّسائی فی سننه الكبری وبوّب عليه .

''یا یہ سلیک رضی اللہ عنہ کا دو رکعت پڑھنا خطبہ کے شروع ہونے سے پہلے تھا، امام نسائی رحمہ اللہ نے الکبری میں یہ روایت بیان کی ہے اور اس پر باب بھی باندھا ہے۔'' (خزائن السنن : ۲/۷۷)

تبصرہ :

جناب صفدر صاحب کی بے چینی دیدنی ہے، دلائل کی عدم دستیابی کے باوجود صحیح حدیث کو ماننے کے لئے تیار نہیں بلکہ اب تو احتمالات پر اتر آئے ہیں، ہوسکتا ہے یوں ہو یا یوں ممکن ہے، حساس دماغ لوگ ان کے اس اضطراب کو دیکھ کر ہی حقیقت سے آشنا ہو سکتے ہیں، جہاں تک امام نسائی رحمہ اللہ کی تبویب کا تعلق ہے تو الکبری کے مطبوعہ نسخہ میں اس قسم کا کوئی باب موجود نہیں بلکہ **الصّلاة قبل الجمعة والامام علی المنبر** (جمعہ سے پہلے نماز جب کہ امام منبر پر ہو) کے الفاظ سے ایک باب ہے اور اس تبویب سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ آپ خطبہ ارشاد نہیں کر رہے تھے۔

دلیل نمبر ۷ :

صفدر صاحب کہتے ہیں:

أو كان ذالک قبل أن ينسخ الكلام فی الصّلوة فلمّا نسخ فی الصّلوة نسخ فی الخطبة أيضا لانّها شطر صلوة الجمعة و شرطها كما صرّح الطحاوی ص ۱۷٤ ج ۱ .

''یا یہ نماز میں بات چیت کے منسوخ ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، پھر جب بات چیت نماز میں منسوخ ہوگئی تو خطبہ میں بھی منسوخ ہوگئی، کیونکہ جمعہ کا آدھا حصہ نماز پر مشتمل ہے، نیز یہ جمعہ کے لیے ضروری ہے۔''

(خزائن السنن : ۲/۷۷)

تبصرہ :

اگر برا نہ منائیں تو ''ہوسکتا ہے'' نہیں، بلکہ یقینی بات ہے کہ یہ حکم نماز میں نسخِ کلام کے بعد کا ہے، لہٰذا یہ منسوخ نہیں ہوا۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جو اس فرمانِ نبوی کے راوی ہیں، اس کے نسخ کے وجود یا عدم وجود کو بخوبی جانتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مروان کے دور تک، جس کے بعد نسخ ممکن نہیں، یہ دو رکعات دورانِ خطبہ ادا فرماتے رہے۔

ذرا یادداشت پر زور دیں تو معلوم ہو کہ آپ ہی نے امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ سے یہ بات نقل فرمائی ہے:

''غسل سبع مرّات کی روایت اور تین مرتبہ غسل کا فتوی دونوں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ہیں، اگر ان کے پاس سات مرتبہ کی نسخ یا عدم وجوب کا علم نہ ہوتا تو اپنی روایت کے خلاف کرنا ان کی عدالت اور عدالت پر اثر انداز ہوتا ہے۔'' (خزائن السنن: ۱/ ۱۹۷ ۔ ۱۹۲)

جناب! اگر نسخ نہ ہونے کے باوجود حدیث کے خلاف کرنا عدالت پر اثر انداز ہوتا ہے تو کیا نسخ ہوجانے کے باوجود حدیث پر عمل کرنا عدالت پر اثر انداز نہیں ہوتا؟

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قیل کانت هذه القصّة قبل تحریم الکلام فی الصّلاة و تعقّب بأنّ سلیکا متأخّر الاسلام جدّا أو تحریم الکلام متقدّم جدّا ، فکیف یدّعی نسخ المتأخّر بالمتقدّم مع أنّ النّسخ لا یثبت بالاحتمال .

''کہا گیا ہے کہ یہ قصہ نماز میں کلام کی حرمت سے پہلے کا ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سلیک رضی اللہ عنہ بہت آخر میں اسلام لائے اور کلام کی حرمت بہت پہلے ہوگئی تھی، پھر بعد والے کام کو پہلے حکم سے کیسے منسوخ کیا جاسکتا ہے حالانکہ نسخ تو احتمال سے ثابت ہی نہیں ہوسکتا۔'' (فتح الباری: ۲/ ۴۱۰)

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام طحاوی حنفی محض احتمال کی بنیاد پر بکثرت دعوی نسخ کرتے ہیں۔

(فتح الباری: ۹/ ٤٨٧)

مقلدین کی دعوی نسخ کے حوالے سے عادتِ شنیعہ کو حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ یوں بیان فرماتے ہیں:

ونجد کثیراً من النّاس ممّن یخالف الحدیث الصّحیح من أصحاب أبی حنیفة أو غیرهم یقول : هذا منسوخ و قدا تّخذوا هذا محنة ، کلّ حدیث لا یوافق مذهبهم یقولون : هو منسوخ

من غير أن يعلموا انّه منسوخ ولا يثبتوا ما الّذى نسخه .

''ہم نے بہت سارے امام ابوحنیفہ کے پیروکاروں وغیرہ کو پایا ہے جو حدیث کی مخالفت کرتے ہیں ،وہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے، یہ ان کا وطیرہ ہے کہ ہر حدیث جو ان کے مذہب کے مطابق نہ ہو، بغیر علم کے اس کو منسوخ قرار دیتے ہیں، وہ اس حدیث کا دلیل سے ناسخ بھی ثابت نہیں کر سکتے۔''

(مجموع الفتاوی : ۲۱ /۱۵۰)

دلیل نمبر ۸ :

عن عبداللّٰہ بن بسر قال : جاء رجل یتخطّی رقاب النّاس فقال له رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم : أی اجلس فقد آذیت .

''عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت یہ ہے خطبہ جمعہ میں ایک آدمی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، تم نے تکلیف دی ہے۔''

(ابو داؤد : ۱۱۱۸، نسائی : ۱۴۰۰ ، مسند احمد : ٤ /۱۹۰)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (۲۹۴)، امام ابن خزیمہ (۱۸۱۱) امام ابن حبان (۲۷۹۰) نے ''صحیح'' جبکہ حافظ حاکم (۱/۴۲۴) نے اس کو مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

نیز اس حدیث کی سند کو حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ نے شرطِ مسلم پر ''صحیح'' کہا ہے۔(البدر المنیر : ٤/٦٨٠)

اس ''صحیح'' روایت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیٹھنے کا حکم فرمایا، دو رکعات ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔(شرح معانی الآثار : ١/٣٦٦)

تبصرہ :

اس حدیث میں دوران خطبہ دو رکعات سے منع کرنے والوں کے لئے کوئی دلیل نہیں کیونکہ:

۱☆ ممکن ہے کہ صحابی مذکور نے دو رکعتیں ادا کر لی ہوں، پھر گردنیں پھلانگتا آگے آیا ہو، جیسا کہ آج کل بھی ہو جاتا ہے اور اس حدیث میں صراحت نہیں کہ اس نے دو رکعتیں نہیں پڑھیں، لہٰذا احتمال آجانے کے بعد استدلال درست نہیں۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

کذا استدل به الطّحاویّ وغیره ، وفیه نظر .

''اسی طرح اس حدیث سے امام طحاوی وغیرہ نے استدلال کیا ہے، لیکن یہ استدلال محلِّ نظر ہے۔''

(فتح الباری: ۱ /۵۳۸)

۲ ☆ اگر بالفرض اس صحابی نے دو رکعتیں ادا نہ بھی کی ہوں تو ممکن ہے کہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے پہلے کا ہو، جس میں آپ نے دو رکعتیں ادا کرنے کا حکم دیا تھا، نیز اس میں اور بھی احتمال ہیں، اور جب احتمال آ جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ استدلال صحیح نہیں۔

اس دلیل اور اس طرح کے دوسرے دلائلِ مانعین کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں:

والجواب عن ذلک کلّه أنّ المعارضة الّتی تؤول الی اسقاط أحد الدّلیلین انّما یعمل بها عند تعذّر الجمع ، والجمع هنا ممکن ....وأمّا حدیث ابن بسر فهو أیضا واقعة عین لا عموم فیها ، فیحتمل أن یکون ترک أمره بالتّحیّة قبل مشروعیّتها ....أو ترک أمره بالتّحیّة لبیان الجواز ، فانّها لیست واجبة ، أو لکون دخوله وقع فی أواخر الخطبة بحیث ضاق الوقت عن التّحیّة .

''ان تمام باتوں کا جواب یہ ہے کہ دو دلیلوں کے مابین جو تعارض ایک دلیل کو ساقط کرنے کا سبب بنتا ہے، وہ تطبیق نہ ہو سکنے کی صورت میں ہوتا ہے، جبکہ یہاں تطبیق ممکن ہے۔۔۔۔ جہاں تک سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ہے تو وہ ایک خاص واقعہ ہے جس میں عموم نہیں ہے (لہٰذا دورانِ خطبہ دو رکعت پڑھنے کے عام حکم کا معارضہ کس طرح کر سکتا ہے؟)، اس لیے احتمال ہے کہ آپ کے نفل (دو رکعت) پڑھنے کا حکم نہ دینے کا واقعہ اس کی مشروعیت (اس کے حکم) سے پہلے کا ہو۔۔۔۔ یا اس کا (دو رکعت) نفل پڑھنے کا حکم نہ دینا بیانِ جواز کے لیے ہو (یعنی یہ بتانا مقصود ہو کہ یہ واجب نہیں)، کیونکہ یہ واجب نہیں ہیں، یا آپ نے اس لیے حکم نہ دیا ہوگا کہ وہ خطبے میں آخری وقت میں پہنچا اور دو رکعتوں کے لیے وقت تھوڑا رہ گیا تھا۔۔۔''

(فتح الباری: ۲ /٤٠٩)

نوٹ :

ہم نے یہ امکانات اس لئے بیان کیے ہیں کہ دورانِ خطبہ دو رکعت ادا کرنے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح حکم ہم تک پہنچ چکا ہے اور ہم پہلے یہ بھی ثابت کر آئے ہیں کہ دوران خطبہ نماز ادا کرنے کا حکم بعد کا ہے اور نسخ کلام پہلے کا۔

پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے ذکر کردہ آخری احتمال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو محدثین مثلاً امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے سلیک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود الفاظ **لا تعودنّ لمثل هذا** کی توضیح میں بیان کی ہے، نیز جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی نے بھی اسے درست قرار دیا ہے کہ وہ جمعہ میں لیٹ آتے تھے، لہٰذا بہت ممکن ہے کہ کسی دفعہ وہ زیادہ دیر سے آئے ہوں اور آپ نے وقت نہ ہونے کی بنا پر ان کو دو رکعت ادا کرنے کا حکم نہ دیا ہو۔

اگر بالفرض اس صحابی نے دو رکعت ادا نہیں کیں اور یہ واقعہ بھی بعد کا اور وہ دیر سے بھی نہ آئے ہوں تو بھی مانعین کی دلیل بہر حال نہیں بن سکتی، کیونکہ ہم نے انہیں فرض و واجب نہیں کہا، جیسا کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی زبانی ہم بیان کر چکے ہیں۔

مانعین کی دلیل تو تب بنتی جب اس میں دو رکعتیں پڑھنے سے صراحتاً منع کیا گیا ہوتا۔

دلیل نمبر ۹ :

جناب محمد علی نیموی حنفی دورانِ خطبہ ممانعتِ نماز کے دلائل میں لکھتے ہیں:

وعن ثعلبة بن أبي مالک القرظيّ قال : انّ جلوس الامام على المنبر يقطع الصّلوة وكلا مه يقطع الكلام وقال انّهم كانوا يتحدّثون حين يجلس عمر ابن الخطّاب على المنبر حتى يسكت المؤذّن فاذا قام عمر رضى الله عنه على المنبر و قضى خطبتيه تكلّموا ، رواه الطّحاويّ و اسناده صحيح .

’’ثعلبہ بن ابی مالک قرظی کہتے ہیں کہ امام کا منبر پر بیٹھنا نماز کو کاٹ دیتا ہے اور امام کی کلام لوگوں کی باتوں کو کاٹ دیتی ہے، پھر کہتے ہیں کہ وہ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے منبر پر بیٹھنے کے بعد بھی باتیں کرتے رہتے تا آنکہ موذن خاموش ہو جاتا، جب عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہو جاتے، تو آپ کے دونوں خطبے مکمل کرنے تک کوئی بات نہ کرتا، پھر جب آپ منبر سے نیچے تشریف لے آتے تو لوگ باتیں کرنے لگتے تھے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ (۲۵۳/۱) نے اسے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔‘‘ (آثار السنن : ۳۰۵)

تبصرہ :

جیسا کہ پہلے بھی صراحت کی جا چکی ہے کہ ان روایات کا تعلق پہلے سے موجود لوگوں سے ہے، نہ کہ دوران خطبہ آنے والوں سے، کیونکہ آپ کا فرمان **انّ جلوس الامام على المنبر يقطع الصّلوة .**

واضح طور پر اسی بات کی تائید کر رہا ہے، مانعین کے حق میں وہ روایت مفید ثابت ہوگی جس میں دوران خطبہ صراحتاً ان دو رکعتوں سے منع کیا گیا ہو، کیونکہ دوسری طرف قائلین کی دلیل بالکل صریح ہے، صریح کے مقابلے میں مبہم پیش کرنا صریح جہالت ہے۔

ویسے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسے منقول آثار کے بارے میں ہم حافظ عراقی رحمہ اللہ کی فیصلہ کن بات ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا ایسے دلائل ذکر کرنا محض تطویل ہے، تحقیق نہیں، نیز یہ لوگوں کا عمل نہ قرآن ہے، نہ حدیث ہے اور نہ امام ابوحنیفہ کا فتوی، راویٔ حدیث سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا عمل ہم پیش کر چکے ہیں۔

دلیل نمبر ۱۰ :

عن هشام بن عروة قال رأيت عبدالله بن صفوان دخل المسجد يوم الجمعة و عبدالله بن الزّبير رضى الله عنه يخطب على المنبر و عليه ازار و رداء و نعلان وهو متعمّم بعمامة ، فاستلم الرّكن ثمّ قال : السّلام عليك يا أمير المؤمنين و رحمة الله و بركاته ، ثمّ جلس ولم يركع .

''ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن صفوان کو دیکھا، وہ جمعہ کے دن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے دوران مسجد میں داخل ہوئے، وہ ازار، چادر، جوتی اور پگڑی پہنے ہوئے تھے، انہوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا پھر کہا: اے امیر المومنین آپ پر اللہ کی سلامتی اور رحمت اور برکتیں ہوں، پھر بیٹھ گئے، نماز نہ پڑھی۔'' (شرح معانی الآثار للطحاوی: ۲۵۳/۱، وسندہٗ صحیح)

تبصرہ : یہ ایک تابعی عبداللہ بن صفوان رحمہ اللہ کا عمل ہے، جو نہ قرآن ہے، نہ حدیث اور نہ ہی قولِ ابی حنیفہ، لہٰذا اس سے کیسے حجت قائم کی جا سکتی ہے؟

رہی یہ بات کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں دو رکعتیں پڑھنے کا حکم نہ دیا تو اس سے دورانِ خطبہ دو رکعتوں کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ دو رکعات فرض و واجب نہ تھیں، یا ان کو فرمان نبوی کا علم نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح فرمان کو صرف ایک صحابی کے سکوت کی وجہ سے چھوڑ نا حدیثِ رسول سے دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع میں تطبیق کے قائل تھے۔ (دیکھیں صحیح مسلم:٥٣٤)

کیا ان کے اس عمل کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک کو چھوڑ دیا جائے گا؟ اگر جواب نفی میں ہے تو یہاں فرمانِ رسول کو کیوں چھوڑا جا رہا ہے؟ حالانکہ اس حدیث کے راوی صحابیٔ رسول سیدنا

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سختی سے اس عمل پر ڈٹے بھی رہے۔

دلیل نمبر ۱۱ :

سیدنا علی رضی اللہ عنہ، مجاہد رحمہ اللہ اور عطاء رحمہ اللہ دوران خطبہ نماز کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ : ۱/ ٤٤٧ ، ح : ٥١٦٧)

تبصرہ : ☆ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

۱☆ سفیان ثوری کی تدلیس ہے۔

۲☆ ابو اسحٰق کی تدلیس بھی موجود ہے۔

۳☆ الحارث بن عبداللہ الاعور ''متروک و رافضی'' راوی ہے۔

☆☆ مجاہد کے قول کی سند میں:

۱☆ سفیان ثوری رحمہ اللہ ''مدلس'' ہیں۔

۲☆ لیث بن ابی سلیم ''ضعیف و مختلط و مدلس'' ہے۔

☆☆☆ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا قول بھی ثابت نہیں، کیونکہ سفیان ثوری کی تدلیس موجود ہے، لہٰذا کچھ ثابت نہیں ہوا، ویسے بھی صحیح فرمانِ نبوی کے مقابلے میں اقوال کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

دلیل نمبر ۱۲ :

عن خالد الخذّاء أنّ أبا قلابة جاء یوم الجمعة والامام یخطب فجلس و لم یصلّ .

''خالد خداء بیان کرتے ہیں کہ ابو قلابہ رحمہ اللہ جمعہ کے دن خطبہ کے دوران آئے، تو بیٹھ گئے، نماز نہیں پڑھی۔'' (شرح معانی الاثار للطحاوی : ۱/۲۵۳)

تبصرہ : اس کی سند موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ:

۱☆ اس کا ایک راوی علی بن عاصم الواسطی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

۲☆ اس کا دوسرا راوی احمد بن حسن ''متروک و کذاب'' ہے۔

دلیل نمبر ۱۳ :

عن ابن سیرین أنّه کان یقول : اذا خرج الامام فلا یصلّ أحد حتّی یفرغ الامام .

''ابن سیرین رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جب امام نکل آئے تو اس کے فارغ ہونے تک کوئی شخص نماز نہ

پڑھے۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ:۱۱۰/۲، ح : ۵۸۰۲، وسندہٗ صحیح)

تبصرہ :

اولاً : تو اس سے مراد مسجد میں پہلے سے موجود لوگ ہیں، کیونکہ **اذا خــرج الامــام** کے الفاظ سے واضح ہے۔

ثــانیاً : اگر اس سے مراد دورانِ خطبہ بھی لے لیا جائے، تو ابن سیرین رحمہ اللہ کو فرمانِ رسول کا علم نہ ہوگا، ورنہ وہ ایسا کبھی نہ فرماتے۔

ثالثاً : اگر انہیں علم بھی ہو تو فرمانِ رسول کے مقابلے میں ان کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

دلیل نمبر ۱٤ : **عن سعید المسیّب قال : خروج الامام یقطع الصّلاۃ .**

''سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے فرمایا: امام کے نکلنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱۰/۲ ، ح : ۵۲۱٤، ۲ /۱۲۳، ح : ۵۳۳۹)

تبصرہ : ۱☆ اس کی سند امام زہری رحمہ اللہ کی تدلیس کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

۲☆ اس سے مراد بھی امام کے خروج سے پہلے مسجد میں موجود لوگ ہیں، نہ کہ دوران خطبہ آنے والے۔

دلیل نمبر ۱۵ :

عن ابن عباس و ابن عمر انّھما کانا یکرھان الصّلاۃ والکلام بعد خروج الامام .

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے نکلنے کے بعد نماز اور کلام دونوں کو ناپسند کرتے تھے۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۳/۲، ح : ۵۳۳۷)

تبصرہ :

۱☆ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ حجاج بن ارطاۃ ''ضعیف و مدلس'' ہے۔

۲☆ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو بقول حافظ عراقی رحمہ اللہ اس سے مراد دوران خطبہ آنے والے نہیں ہیں۔

دلیل نمبر ۱٦ :

عـن اسـمعیل بن أبی خالد قال : رأیت شریحا دخل یوم الجمعۃ من أبواب کندۃ فجلس و لم یصلّ .

’’اسمٰعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے شریح رحمہ اللہ کو دیکھا، وہ جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوئے، پھر بیٹھ گئے، نماز نہیں پڑھی۔‘‘ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱۰/۲، ح : ۵۲۰۹، وسندہٗ صحیح)

تبصرہ : اس روایت میں دورانِ خطبہ کا کوئی ذکر نہیں، لہٰذا استدلال مردود ہے، دوسری بات یہ ہے کہ دو رکعات کی ممانعت کہاں ہے؟

دلیل نمبر ۱۷ :

عن هشام بن عروة عن أبيه قال : اذا قعد الامام على المنبر فلا صلاة .

’’ہشام بن عروہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو کوئی نماز نہیں۔‘‘

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱۰/۲ ، ح : ۵۲۱۰، وسندہٗ صحیح)

تبصرہ :

اولاً اس سے مراد پہلے سے موجود لوگ ہیں، کیونکہ فرمان رسول اپنے مفہوم میں صریح ہے، جبکہ یہ مبہم۔

ثانیاً یہ عروہ رحمہ اللہ کا اپنا خیال ہوسکتا ہے، ممکن ہے ان کو یہ فرمان نہ پہنچا ہو، جن کو فرمانِ رسول پہنچا تھا وہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پوری زندگی دورانِ خطبہ دو رکعت ادا فرماتے رہے۔

دلیل نمبر : ۱۸ :

عن ثعلبة بن أبي مالك القرظيّ قال : أدركت عمر وعثمان فكان الامام اذا خرج يوم الجمعة تركنا الصّلوة .

’’ثعلبۃ بن ابی مالک کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کا دور پایا ہے، جب امام جمعہ کے دن نکل آتا تو ہم نماز چھوڑ دیتے تھے۔‘‘ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱۰/۲ ، ح : ۵۲۱۳)

تبصرہ :

اولاً : یہ روایت ’’انقطاع‘‘ کی وجہ سے ’’ضعیف‘‘ ہے، عباد بن العوام کا یحییٰ بن سعید الانصاری سے سماع ثابت نہیں ہوسکا۔

ثانیاً : ہم بھی کہتے ہیں کہ جب امام آجائے تو پہلے سے موجود لوگ نماز چھوڑ کر خطبہ جمعہ سنیں گے، دوران خطبہ نماز کی ممانعت پر دلیل مطلوب ہے۔

الحاصل : دورانِ خطبہ دو رکعت پڑھنے کے صریح فرمانِ رسول کے مخالفین کسی ایک بھی صحیح

وصریح روایت سے اپنامدّ عا ثابت نہیں کر سکے، حالانکہ اس حدیث کے راوی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا عمل واضح طور پر اس سنت کے عدمِ نسخ پر دلالت کرتا ہے، نیز اس حدیث کے راوی سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی یہ دو رکعت دورانِ خطبہ صراحتاً ثابت ہیں، جمہور صحابہ، تابعین اور محدثین سے بھی اس حکم کا عدمِ نسخ ثابت کیا جا چکا ہے، مگر کیا کیا جائے کہ تقلید ان واضح دلائل کے باوجود حق تسلیم کرنے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ☆

☆ آخر میں ہم اس بارے میں علمائے کرام کے اقوال پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں:

☆ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فالنّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم قد أمر بعد فراغ سلیک من الرّکعتین من جاء الی الجمعة والامام یخطب بهذا الامر کلّ مسلم یدخل المسجد والامام یخطب الی قیام السّاعة ، وکیف یجوز أن یتأوّل عالم أنّ النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم انّما خصّ بهذا الأمر سلیکا الغطفانیّ اذ دخل المسجد رثّ الهیئة وقت خطبته صلّی اللّٰہ علیه وسلّم والنّبیّ یأمر بلفظ عام : من یدخل المسجد والامام یخطب أن یصلّی رکعتین ، بعد فراغ سلیک من الرّکعتین ، و أبو سعید الخدریّ راوی الخبر عن النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم یحلف أن لا یترکهما بعد أمر النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم بهما ، فمّن ادّعیٰ أنّ هذا کان خاصّا لسلیک ، أو للدّاخل وهو رثّ الهیئة وقت خطبة النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم فقد خالف أخبار النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم المنصوصة ، لأنّ قوله : اذا جاء أحدکم یوم الجمعة والامام یخطب فلیصلّ رکعتین ، محال أن یرید به داخلا واحدا دون غیره ، لأنّ هذا اللّفظة اذا جاء أحدکم عندالعرب یستحیل أن تقع علی واحد دون الجمع ، وقد خرّجت طرق هذه الأخبار فی کتاب الجمعة .**

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلیک رضی اللہ عنہ کے دوران خطبہ دو رکعتوں سے فارغ ہونے کے بعد قیامت تک ہر دوران خطبہ مسجد میں داخل ہونے والے مسلمان کو یہی فرمایا، کسی عالم کے لئے یہ تاویل کرنا کیسے جائز ہوگا کہ آپ نے یہ حکم خاص سیدنا سلیک رضی اللہ عنہ کو دیا تھا، کیونکہ وہ آپ کے خطبہ کے دوران پراگندہ حالت میں داخل ہوا تھا، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو عمومی الفاظ میں حکم فرما رہے ہیں کہ جو کوئی بھی مسجد میں دوران خطبہ ہو، دو رکعتیں پڑھے اور یہ حکم سلیک رضی اللہ عنہ کے دو رکعتوں سے فارغ ہونے کے بعد دیا، نیز اس فرمان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرنے والے صحابی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد میں ان دو رکعتوں کو نہیں چھوڑ سکتا، لہٰذا جو کوئی

اسے سلیک رضی اللہ عنہ یا پراگندہ حالت والے شخص کے ساتھ خاص کرے گا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صریحہ کا مخالف ہوگا، کیونکہ آپ کے فرمان ''جب تم میں سے کوئی ایک دوران خطبہ آئے تو دو رکعتیں ادا کرے'' سے صرف ایک داخل ہونے والا مراد لینا اور دوسروں کو خارج کرنا محال ہے، کیونکہ اذا جاء أحدکم کے الفاظ کا ایک پر استعمال اہلِ عرب کے ہاں ممکن نہیں، میں نے ان احادیث کی مختلف سندیں کتاب الجمعۃ میں جمع کر دی ہیں۔'' (صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۷/۳ ـ ۱۶۸، تحت حدیث: ۱۸۳۵)

☆ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا نصّ لا يتطرّق اليه التّأويل ، ولا أظنّ عالما يبلغه و يعتقده صحيحا ، فيخالفه .

''یہ ایسی نص ہے جس میں تاویل ممکن نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ کوئی عالم جسے یہ روایت پہنچ جائے اور وہ اسے صحیح بھی سمجھتا ہو، پھر اس کی مخالفت کرے۔'' (شرح مسلم از نووی: ۱ /۲۸۷)

☆ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ (م ۴۵۶ھ) میں فرماتے ہیں: **فهذه آثار متظاهرة متواترة عن جماعة من الصّحابة رضى الله عنهم بأصحّ أسانيد توجب العلم بأمره صلّى الله عليه وسلّم من جاء يوم الجمعة والامام يخطب بأن يصلّى ركعتين ، وصلّاهما أبو سعيد الخدرىّ مع النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم و بعده بحضرة الصّحابة ،لا يعرف له منهم مخالف ، ولا عليه منكر ، الّا شرط مروان الّذين تكلّموا با لباطل و عملوا الباطل فى الخطبة ، فأظهروا بدعة وراموا اماتة سنّة و اطفاء حقّ ، فمن أعجب شأناً ممّن يقتدى بهم و يدع الصّحابة .**

''یہ صریح اور متواتر احادیث ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت سے صحیح ترین سندوں کے ساتھ مروی ہیں، ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا علم ضروری طور پر حاصل ہوتا ہے کہ جو بھی جمعہ کے دن دوران خطبہ آئے، دو رکعتیں ادا کرے، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ دو رکعتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کے بعد صحابہ کی موجودگی میں ادا فرمائیں، صحابہ میں سے نہ کسی نے ان کی مخالفت کی اور نہ ان کا انکار کیا، صرف مروان کے سپاہیوں نے خطبہ کے دوران ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو دو رکعتوں سے روکنے کی کوشش کر کے باطل قول و فعل کا اظہار کیا، انہوں نے بدعت کا کام کیا، سنت کو ختم کرنے اور حق کے چراغ کو بجھانے کی سعی کی، کتنے عجیب ہیں وہ لوگ جو ان گمراہ لوگوں کی پیروی کرتے ہیں اور صحابہ کرام کو چھوڑ دیتے ہیں؟'' (المحلی لابن حزم: ۶۹/۵، تحت مسئلہ: ۵۳۱)

☆ نیز لکھتے ہیں:

وسبحان من يسّر هولاء لعكس الحقائق فقالوا : من جاء والامام يخطب فلا يركع ، ومن جاء والامام يصلّى الفرض ولم يكن أوتر ولا ركع ركعتى الفجر فليترك الفريضة و ليشتغل بالنّافلة ! فعكسوا أمر رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم عكساً .

''پاک ہے وہ ذات جس نے ان مقلدین کو خلاف حقیقت کاموں میں آسانی مہیا کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ جو خطبہ کے دوران آئے، وہ دو رکعت نماز نہ پڑھے حالانکہ اس پر آپ کا حکم موجود ہے اور جو فرضوں کی جماعت کے دوران آئے، اس نے وتر یا صبح کی دو سنتیں نہ پڑھی ہوں تو وہ فرض چھوڑ کر نفل میں لگ جائے حالانکہ اس سے آپ نے منع بھی فرمایا ہے، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے بالکل الٹ چال چلی ہے۔'' (المحلی لابن حزم : ٦٩/٥ ، مسئله : ٥٣١)

☆ امام ابن المنذر رحمہ اللہ (م ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں: **و فى قوله اذا جاء أحدكم الى الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين بعد أن علم سليكا أبين البيان بأنّ ذالک عامّ عامّ للناس .**

''سیدنا سلیک رضی اللہ عنہ کو سکھا دینے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ جو بھی تم میں سے خطبہ جمعہ کے دوران آئے، دو رکعتیں ادا کرے، اس میں بالکل واضح بات موجود ہے کہ یہ حکم سب لوگوں کے لئے عام ہے۔'' (الاوسط لابن المنذر : ٤ /٩٦ ، تحت حديث : ١٨٤٣)

اتنی صراحت کے بعد بھی اگر کوئی نہ مانے تو خطرہ ہے کہ اللہ تعالی کی ان دو وعیدوں کا مستحق نہ ہو جائے:

☆ فرمان باری تعالی ہے: ﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی o عَبْدًا اِذَا صَلّٰی o﴾ (العلق : ٩-١٠)

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے، جو بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔''

☆☆ مزید ارشاد ہوا:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور : ٦٣)

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان کو کوئی مصیبت یا دردناک عذاب نہ آلے۔''

☆☆............☆☆............☆☆

امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

عمدۃ الحفاظ ، امام المحدثین ، سید الفقہاء ، امام کبیر الشان محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۹۴۔۲۵٦ھ) کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔

قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند (۱۳۵۱۔۱۴۰۳ھ) کہتے ہیں:

''سنِ ولادت تو ''صدق'' کے لفظ سے نکلتا ہے اور مدتِ عمر ''حمید'' کے لفظ سے ہے اور سنِ وفات ''نور'' کے لفظ میں ہے، جہاں تک امام (بخاری رحمہ اللہ) کی عظمت اور جلالت کا تعلق ہے، حافظہ، عدل، اتقان، زہد وتقویٰ اور دیانت، وہ اس سے زیادہ مشہور ہے، جتنا کہ آفتاب کو ہم دیکھتے ہیں، پوری امت نے امام کی تلقی بالقبول کی ہے۔'' (خطبات حکیم الاسلام: ۱/ ۲٥٤)

امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگرد امام الائمہ ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۳۔۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

ما رأيت تحت أديم السّماء أعلم بالحديث من محمّد بن اسماعيل البخاريّ .

''میں نے اس نیلی فام آسمان کی چھت کے نیچے محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ سے بڑھ کر حدیث کا عالم نہیں دیکھا۔'' (معرفة علوم الحديث للحاكم: ص ٧٤ ، ح: ١٥٥، وسندهٗ صحيح)

امام صاحب کے ایک اور شاگرد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولم أر أحدا بالعراق ولا بخراسان في معنى العلل والتّاريخ ومعرفة الأسانيد كبير أحد أعلم من محمّد بن اسماعيل رحمه اللّٰه .

''میں نے عراق اور خراسان میں محمد بن اسماعیل (البخاری) سے بڑھ کر علل وتاریخ اور سندوں کی معرفت رکھنے والا کوئی عالم نہیں جانا۔'' (كتاب العلل مع الجامع للترمذي: ص ٨٨٩ ، طبع دارالسلام)

امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگرد امام مسلم رحمہ اللہ نے آپ کے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا:

لا يبغضك الّا حاسد ، وأشهد أن ليس في الدّنيا مثلك .

''آپ سے کوئی حاسد ہی بغض رکھ سکتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی نہیں۔''

(الارشاد للخليلي: ٩٦١/٣، وسندهٗ صحيح)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

اسناد هذه الحكاية صحيح .(تغليق التعليق : ٤٢٩/٥)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) فرماتے ہیں:

وكان من خيار النّاس ممّن جمع وصنّف ورحل وحفظ وذاكر وحثّ عليه وكثرت عنايته بالأخبار وحفظه للآثار مع علمه بالتّاريخ ومعرفة أيام النّاس ولزوم الورع الخفيّ والعبادة الدّائمة الى أن مات رحمه اللّه .

"آپ بہترین انسان تھے، آپ نے حدیثیں جمع کیں، کتابیں تصنیف کیں، حصولِ حدیث کے لیے سفر کیا، آپ نے حدیثوں کا مذاکرہ کیا، اس پر ترغیب دلائی، احادیث وآثار کے حفظ میں خوب توجہ کی، آپ تاریخ اور علمِ رجال کے عالم تھے، آپ تاوفات خفیہ پرہیزگاری اور عبادت دائمہ پر کاربند رہے، رحمہ اللہ۔"

(كتاب الثقات لابن حبان : ٩ /١١٣ـ١١٤)

حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ (م ۴۵۶ھ) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

جامع الصّحيح ، امام ، ثقة مشهور .(المحلى : ٢٠/٦ـ٢١)

حافظ خطیب بغدادی رحمہ اللہ (م ۴۰۵ھ) امام موصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

الامام فى علم الحديث ، صاحب الجامع الصّحيح والتّاريخ .(تاريخ بغداد : ٢ /٤)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

وكان اماما ، حافظا ، حجة ، رأسا فى الفقه والحديث ، مجتهدا ، من أفراد العالم مع الدّين والورع والتّألّه .

"آپ امام، حافظ، حجت، چوٹی کے فقیہ ومحدث اور مجتہد تھے، نیز دین داری، تقوی وپرہیزگاری اور عبادت گزاری کے ساتھ ساتھ یگانۂ روزگار تھے۔" (الكاشف للذهبى : ١٨/٣)

نیز فرماتے ہیں:

أمّا محمّد بن اسماعيل الامام ، مؤلّف الصّحيح : فثقة ، بعد ذا فما سلم من الكلام لأجل مسألة اللّفظ ، تركه لأجلها أبوزرعة وأبوحاتم وهجره الذّهلى .

"صحیح (بخاری) کے مولف امام محمد بن اسماعیل (البخاری) ثقہ ہیں، اگرچہ آپ مسئلہ لفظ کی وجہ سے کلام سے نہیں بچ پائے، اسی وجہ سے آپ کو امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم اور امام ذہلی رحمہم اللہ نے چھوڑ دیا تھا۔"

(ديوان الضعفاء والمتروكين : ٢٨٣/٢)

مزید فرماتے ہیں:

فحجّة ، امام ، ولا عبرة بترک أبی زرعة وأبی حاتم له من أجل اللّفظ ، لأنّه مجتهد فی المسألة بل ومصیب .

''آپ تو حجت اور امام ہیں، امام ابوزرعہ وامام ابوحاتم کے مسئلہ لفظ کی وجہ سے آپ کو چھوڑنے کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ اس مسئلہ میں آپ مجتہد بلکہ حق بجانب تھے۔'' (المغنی : ۲/ ۲۶۸)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

الامام ، الحافظ ، المتقن . (تفسیر ابن کثیر : ۴/ ۸۷، بتحقیق عبد الرزاق المهدی)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

جبل الحفظ وامام الدّنیا فی فقه الحدیث .

''امام بخاری رحمہ اللہ حافظے کے پہاڑ تھے، فقہ حدیث میں دنیا کے امام تھے۔'' (التقریب : ۵۷۲۷)

نیز فرماتے ہیں:

ویکفی منه اتّفاقهم علی أنّه أعلم بهذا الفنّ من مسلم .

''آپ کی فضیلت میں محدثین کا اس بات پر اتفاق ہی کافی ہے کہ آپ فنِ حدیث میں امام مسلم سے فائق ہیں۔'' (هدی الساری : ۱۱)

تنبیه :

امام ابنِ ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

سمع منه أبی وأبوزرعة ، ثمّ ترکا حدیثه عند ما کتب الیهما محمّد بن یحیی النّیسابوریّ أنّه أظهر عندهم أنّ لفظه بالقرآن مخلوق .

''آپ سے میرے والد اور ابوزرعہ رحمہما اللہ نے حدیثیں سنیں تھیں، پھر دونوں نے اس وقت آپ کو چھوڑ دیا تھا جب ان دونوں کی طرف محمد بن یحییٰ نیساپوری نے خط لکھا کہ آپ نے ان کے ہاں قرآن کے تلفظ کے مخلوق ہونے کا موقف ظاہر کیا۔'' (الجرح والتعدیل : ۷/ ۱۹۱)

ایسا غلط فہمی کی بنا پر ہوا، امام بخاری رحمہ اللہ اس بات کے قائل نہ تھے، بلکہ آپ تو بندوں کے اعمال و افعال کو مخلوق کہتے تھے، آپ نے **خلق أفعال العباد** نامی کتاب بھی لکھی ہے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

فهـذه مسألة مشكلة ، وقد كان أحمد بن حنبل وغيره لا يرون الخوض في هذه المسألة ، مـع أنّ البخاری رحمه اللّٰه ما صرّح بذلک ، ولا قال : ألفاظنا بالقرآن مخلوقة ، بل قال : أفعالنا مـخـلـوقة ، والـمـقـروّ والـمـلـفـوظ هـو كلام اللّٰه تعالیٰ ، ليس بمخلوق ، فالسّكوت عن توسّع العبارات أسلم للانسان .

''یہ مسئلہ مشکل ہے، امام احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ اس مسئلہ میں گہرائی اختیار کرنا درست نہیں سمجھتے تھے، جبکہ امام بخاری نے اس بات کی صراحت نہیں کی اور نہ ہی آپ نے یہ کہا ہے کہ ''ہمارا قرآن کا تلفظ کرنا مخلوق ہے'' بلکہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ ''ہمارے افعال مخلوق ہیں اور پڑھی اور تلفظ کی جانے والی چیز اللہ تعالیٰ کی کلام ہے، مخلوق نہیں، لہٰذا اس مسئلے میں زیادہ باتوں سے اجتناب کرنا ہی انسان کے لیے زیادہ سلامتی ہے۔''

(سیر اعلام النبلاء : ۱۵/ ٤٩٤)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ہیں، آپ اپنی صحیح بخاری میں ان سے روایت لاتے ہیں، اتنی سی وضاحت کے بعد عرض ہے کہ ثمّ ترکا حدیثه سے مراد عرفی اور اصطلاحی ترکِ حدیث مراد نہیں، ترکه فلان کے کئی مفہوم ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی سے لکھنا بند کر دینا اور علمی اعتبار سے تعلق ختم کر دینا ہے، ہر جگہ محدثین کی اصطلاح مراد نہیں ہوتی، جیسا کہ حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قـولهـم : تـركـه شـعبة ، مـعـنـاه أنّه لم يرو عنه ، وترک الرّواية قد يكون لشبهة لا توجب الجرح ، وهذا معروف في غير واحد قد خرّج له في الصّحيح .

''ان کا یہ کہنا کہ شعبہ نے اسے چھوڑ دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ امام شعبہ نے اس سے روایت نہیں لی، روایت نہ لینا بسا اوقات ایسے شبہہ کی بنا پر ہوتا ہے جو جرح کا سبب نہیں بنتا ہوتا، صحیح کے کئی راویوں کے بارے میں یہ بات معروف ہے۔'' (مجموع الفتاوی : ٢٤/ ٣٤٩)

ثابت ہوا کہ ہر جگہ ترکه فلان جرح نہیں ہوتا، البتہ ترکوہ ہر جگہ جرح ہے۔

مثال نمبر ۱ :

علی بن ابی ہاشم البغدادی کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی فرماتے ہیں:

ما علمته الّا صدوقا ، وقف في القرآن فترک النّاس حديثه .

''میں اسے صدوق ہی سمجھتا ہوں، اس نے قرآن کریم کے بارے میں توقف کیا تو لوگوں نے اس کی

احادیث کو چھوڑ دیا۔'' (الجرح والتعدیل : ١٩٥/٦)

اس کی وضاحت خود امام ابو حاتم نے فرمادی کہ:

وقف فی القرآن ، فوقفنا عن الرّواية عنه ، فاضربوا علی حديثه .

''اس نے قرآن کے بارے میں توقف کیا تو ہم نے اس کی روایت سے توقف کرلیا، لہٰذا اس کی حدیث کو چھوڑ دو۔'' (الجرح والتعدیل : ١٩٥/٦)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وليس ذلک بمانع من قبول روايته .

''یہ بات اس کی روایت کو قبول کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔'' (ھدی الساری : ٤٦٠)

یہاں اصطلاحی ''ترک'' مراد نہیں، نہ ہی یہ الفاظ موجبِ جرح ہیں۔

مثال نمبر ٢ :

جب امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے امام عطاء بن ابی رباح کے بارے میں کہا:

كان عطاء اختلط بأخرة ، تركه ابن جريج وقيس بن سعد .

''عطاء آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، ابنِ جریج اور قیس بن سعد نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔''

تو اس کے جواب میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لم يعن علی بقوله : تركه هذان ، التّرک العرفی ، ولكنّه كبر وضعفت حواسّه ، وكانا قد تكفّيا منه وتفقّها وأكثرا منه فبطلا ، فهذا مراده بقوله : تركاه .

''امام علی بن المدینی نے یہاں ترک سے مراد عرفی و اصطلاحی ترک نہیں لیا، بلکہ امام عطاء رحمہ اللہ بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کے حواس کمزور ہو گئے تھے، ان دونوں نے آپ سے لمبا عرصہ استفادہ کیا، فقہ سیکھی اور ان سے بہت زیادہ احادیث لیں، پھر انہوں نے یہ کام ختم کر دیا، یہ ہے مراد امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کے اس قول کی کہ ان دونوں نے آپ کو چھوڑ دیا تھا۔'' (سیر اعلام النبلاء : ٧٨/٥)

نیز فرماتے ہیں:

لم يعن التّرک الاصطلاحی ، بل عنیٰ أنّهما بطلا الكتابة عنه ، وإلا فعطاء ثبت رضیّ .

''امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے ترکِ اصطلاحی مراد نہیں لیا، بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ ان دونوں نے آپ

سے لکھنا چھوڑ دیا تھا، ورنہ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ ثقہ وثبت راوی ہیں۔'' (میزان الاعتدال: ۳/ ۷۰)

مثال نمبر ۳:

امام ابنِ ابی حاتم رحمہ اللہ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

کتب عنـد أبـی و أبی زرعة وترک أبو زرعة الرّواية عنه من أجل ما كان منه فی المحنة ، وكان أبی يروی عنه لنزوعه عمّا كان منه .

''آپ نے میرے والد (امام ابوحاتم) اور امام ابوزرعہ رحمہما اللہ کے پاس احادیث لکھیں، امام ابوزرعہ نے ان کی طرف سے فتنے میں ظاہر ہونے والی چیز کی وجہ سے ان سے روایت لکھنا ترک کر دیا تھا اور میرے والد (امام ابوحاتم رحمہ اللہ) ان کے اس کام کو چھوڑ دینے کی وجہ سے روایت لیتے تھے۔''

(الجرح والتعدیل: ۱۹٤/٦)

ساتھ ہی امام ابوزرعہ رحمہ اللہ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

لا نرتاب فی صدقه . ''ہم ان کے سچے ہونے میں شک نہیں کرتے۔'' (الجرح والتعدیل: ۱۹٤/٦)

ثابت ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم رحمہما اللہ کا ''ترک'' موجبِ جرح نہیں، اس پر دلیل یہ بھی ہے کہ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی کتاب ''الضعفاء'' میں ذکر نہیں کیا، اس کے برعکس امام ابوحنیفہ کا یوں تذکرہ کیا:

كان أبو حنيفة جهميّا . ''ابوحنیفہ جہمی (صفاتِ باری تعالیٰ کے منکر) تھے۔''

(کتاب الضعفاء لابی زرعة: ۲/ ۵۷۰)

کسی ثقہ کا ثقہ سے روایت ترک کرنا موجبِ جرح نہیں، امام مسلم رحمہ اللہ نے امام علی بن المدینی اور امام محمد بن یحییٰ الذہلی رحمہما اللہ سے روایت ترک کر دی تھی، کیا ان کو بھی ''متروک'' کہا جائے گا؟ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے امام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ سے روایت ترک کر دی تھی، کیا ان کو ''متروک'' سمجھا جائے گا؟

امام ابن ابی حاتم الرازی امام ابوحنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

ثمّ تركه ابن المبارک بأخرة . ''پھر آخری دور میں امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے انہیں ترک کر دیا تھا۔'' (الجرح والتعدیل: ٤٤٩/٨)

کوئی ہے جو یہ کہہ دے کہ امام عبداللہ بن مبارک نے اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کو ''متروک'' قرار دیا ہے؟

تصانیف

(۱)الجامع الصّحیح	(۲)الجامع الکبیر	(۳)المسند الکبیر
(۴)التّاریخ الکبیر	(۵)العلل	(۶)الضّعفاء الکبیر
(۷)الأشربة	(۸)الکنیٰ	(۹)التّاریخ الاوسط
(۱۰)التّاریخ الصّغیر	(۱۱)التّفسیر الکبیر	(۱۲)خلق أفعال العباد
(۱۳)رفع الیدین	(۱۴)القراء ة خلف الامام	(۱۵)کتاب الفوائد

چند جلیل القدر اساتذۂ کرام

امام احمد بن حنبل، احمد بن صالح المصری، اسحاق بن راہویہ، سلیمان بن حرب، عبداللہ بن زبیر الحمیدی، علی بن عبداللہ المدینی، ابن ابی شیبہ، یحییٰ بن معین اور امام دارمی وغیرہم رحمہم اللہ علیہم۔

(تہذیب الکمال: ١٦ /٨٤۔٨٥)

چند جلیل القدر شاگرد

امام مسلم، ترمذی، ابوزرعہ الرازی، ابوحاتم الرازی، ابن خزیمہ، ابن ابی عاصم، محمد بن نصر المروزی، محمد بن یوسف الفربری اور محمود بن اسحاق الخزاعی وغیرہم رحمہم اللہ۔(تہذیب الکمال: ١٦ /٨٦۔٨٧)

امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد تھے

امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد تھے، جیسا کہ حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأمّا البخاریّ وأبوداوٗد فامامان فی الفقہ من أهل الاجتهاد ، وأمّا مسلم والتّرمذیّ والنّسائیّ وابن ماجه وابن خزیمة وأبویعلیٰ والبزّار فهم علی مذهب أهل الحدیث ، لیسوا مقلّدین لواحد بعینه من العلماء ، وهؤلاء کلّهم یعظّمون السّنّة والحدیث .

’’امام بخاری اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ دونوں فقہ میں مجتہد امام تھے، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابنِ ماجہ، امام ابنِ خزیمہ، امام ابویعلیٰ اور امام بزار رحمہم اللہ اہل الحدیث (محدثین) کے مذہب (قرآن و حدیث) پر تھے، کسی بھی خاص عالم کے مقلد نہ تھے، یہ سب کے سب ائمہ سنت وحدیث کی تعظیم کرتے تھے۔‘‘

(مجموع الفتاوی: ٢٠ /٤٠)

جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی (۱۲۹۲۔۱۳۵۲ھ) کہتے ہیں:

واعلم أنّ البخاريّ مجتهد لا ريب فيه .

''آپ یقین کرلیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے مجتہد ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔''

(مقدمہ فیض الباری : ٥٨)

نیز شاہ صاحب ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے جو امام بخاری کو شافعی المذہب وغیرہ سمجھتے ہیں، لکھتے ہیں:

لكنّ الحقّ أنّ البخاريّ مجتهد . ''لیکن حق یہ ہے کہ امام بخاری مجتہد تھے۔''(العرف الشذی : ١ /٢)

جناب عبدالحیٔ لکھنوی حنفی لکھتے ہیں:

جلالة قدر البخاريّ ودقّة فهمه وسعة نظره وغوره وفكره ما لا يخفىٰ على من انتفع بصحيحه . ''جو صحیح بخاری سے بہرہ ور ہوا، اس پر امام بخاری کی عظمت وجلالت، ان کی باریک فہمی ، وسعتِ نظر اور نکتہ شناسی پوشیدہ نہیں ہے۔'' (الفوائد البهية : ١٨)

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب (١٣١٥-١٤٠٣ھ) کہتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے تراجم وابواب میں بالغ نظری پائی جاتی ہے، اس کے پیشِ نظر ان کو کسی فقہی مسلک کا پابند نہیں کہا جاسکتا ہے، وہ کسی مسلک کے متبع نہ تھے، بلکہ خود ایک مجتہد کی شان رکھتے تھے۔''(مقدمہ فضل الباری از شبیر احمد عثمانی : ١/٦٤)

جلیل القدر امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' کتاب میں کسی کی تقلید نہیں کی، جیسا کہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

نسب الى البخاريّ انه اختار في النّجاسات مذهب داوٗد الظّاهري كما نقله الكرماني ، أقول : أمّا أنا فلا أقول الا بقدر ما يظهر من عبارته وأسكت عمّا سكت عنه البخاريّ ، لأنّه لا يلزم باختياره بعض جزئيات الظّاهرية اختيار جميعها ، وأمّا الشّارحون فيكتفون بالحكم الاجماليّ ، فاذا رأوا أنّه وافق أحدا في بعض جزئياته ، يحكمون عليه أنّه اختار مذهب فلان مع أنّه مجتهد في الفقه ، فيأخذ ما شاء من مسائلهم ويترك ما شاء ، وليس من لوازم اختيار البعض اختيار الكلّ .

''امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپ نے نجاستوں کے بارے میں داؤد ظاہری کے مذہب کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ کرمانی نے آپ کے بارے میں نقل کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو میں اتنی ہی بات کہوں گا جو آپ کی عبارات سے ظاہر ہوتی ہے، جس چیز کے

بارے میں امام صاحب خاموش ہیں، میں بھی اس بارے میں خاموش رہوں گا، امام بخاری رحمہ اللہ کے اہلِ ظاہر کی بعض جزئیات کو اختیار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے ان کی تمام جزئیات کو اختیار کرلیا ہے، شارحینِ بخاری اجمالی حکم پر اکتفاء کرتے ہیں، جب وہ دیکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کسی کی بعض جزئیات میں موافقت کی ہے تو وہ آپ پر جھٹ حکم لگا دیتے ہیں کہ آپ نے فلاں کا مذہب اختیار کرلیا ہے، باوجودیکہ آپ فقہ میں مجتہد ہیں، ان کے مسائل میں سے جو چاہتے ہیں لے لیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں ترک کردیتے ہیں، بعض کے اختیار کرنے سے کُل کا اختیار کرنا لازم نہیں آتا۔'' (فیض الباری: ۱/ ۳۲۵)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، ثقہ محدثین کرام رحمہم اللہ کا تقلید کی طرف انتساب کرنا ظلمِ عظیم اور انتہا درجہ کی ناانصافی ہے، کیونکہ یہ عظیم لوگ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے حقیقی وارث تھے، انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد تقلید جیسی جہالت اور گمراہی کا قلع قمع کرنا تھا، اس کے باوجود بعض ناعاقبت اندیش ''مجتہد فی المذہب'' اور ''مجتہد مطلق'' جیسی بے بنیاد اور فضول بحثیں چھیڑ کر محدثین کرام کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔

واضح رہے کہ ثقہ محدثین کرام ہمارے نزدیک اولیاء الرحمٰن ہیں، اولیاء اللہ کے دشمنوں کے خلاف اللہ رب العزت نے اعلانِ جنگ کر رکھا ہے، ایسے لوگ روزِ محشر ذلت و رسوائی سے نہیں بچ سکیں گے، ظلم در ظلم تو یہ ہے کہ ظالموں نے محدثینِ کرام رحمہم اللہ کو ظالم گردانا ہے، جیسا کہ زکریا تبلیغی دیوبندی لکھتے ہیں:

''ان محدثین کا ظلم سنو!'' (تقریر بخاری شریف از زکریا: ۲/ ۱۰٤)

مسلمانو! انصاف سے بتاؤ کہ کیا محدثینِ کرام رحمہم اللہ ظالم تھے؟؟؟

امام زیلعی حنفی (م ۷۶۳ھ) اور امام عینی حنفی (م ۸۵۵ھ) نے امام بخاری رحمہ اللہ کو ''انتہائی متعصب'' کہا ہے۔ (نصب الرایۃ للزیلعی: ۱/ ۳۵۵، عمدۃ القاری للعینی: ۵/ ۲۹۰، ۹/ ٤)

غالی حنفی ڈاکٹر عمر کریم سالاری نے ''الجرح علی البخاری'' کے نام سے ایک بدنام زمانہ کتاب لکھی تھی، جس کا مُسکِت جواب اہلحدیث عالم محمد ابوالقاسم نے ''الکوثر الجاری'' کے نام سے دیا ہے۔

جناب رشید احمد گنگوہی دیوبندی (۱۲٤٤۔۱۳۲۳ھ) امام بخاری رحمہ اللہ کو ''متعصب'' قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسی واسطے باقتضائے تعصبِ مذہبی امام بخاری کو ہرگاہ کہ اس فقرہ میں گنجائشِ طعن نہ ملی۔۔۔''

(هداية المهتدی مندرج مجموعه رسائل : ۱۰٤)

جناب حسین احمد ٹانڈوی (م ۱۳۷۷ھ) کہتے ہیں:

''ان مقامات پر جہر کا کوئی بھی قائل نہیں، مگر دھینگا مشتی کرتے ہوئے امام بخاری اس سے جہر ثابت کرتے ہیں۔'' (تقریر ترمذی از حسین احمد ((مدنی)) : ۳۹۱)

نیز کہتے ہیں: ''اگر چہ فنِ حدیث میں امام بخاری کا بلند مقام ہے، مگر تعصب کی بنا پر جب یہ امام حنیفہ کا مقابلہ کرتے ہیں تو ان پر بھی تنقید کی جاتی ہے۔'' (تقریر ترمذی : ۳۹۱)

محدثینِ کرام پر مزید برستے ہوئے کہتے ہیں:

''ان حضرات نے تعصب کی بنا پر قصداً ان روایات کو چھوڑ دیا، کیونکہ اگر چہ یہ لوگ علمِ حدیث میں بڑا پایۂ مقام رکھتے ہیں، مگر بشری عیوب سے سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی بھی محفوظ نہیں۔'' (تقریر ترمذی : ٤٠٩)

قارئین کرام ! یہ صحیح ہے کہ بشری عیوب سے سوائے انبیائے کرام کے کوئی بھی محفوظ نہیں، لیکن ثقہ محدثین تعصب سے ضرور محفوظ تھے۔ **والحمد لله علیٰ ذلك**

ناقدِ رجال حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نحن لا ندّعي العصمة في أئمة الجرح والتّعديل ، لكنّهم أكثر النّاس صوابا وأندرهم خطأ وأشدّهم انصافا وأبعدهم عن التّحامل ، واذا اتّفقوا على تعديل رجل أوجرح ، فتمسّک به واعضض عليه بناجذيک ، ولا تتجاوزه فتندم ، ومن شذّ منهم فلا عبرة به ، فخلّ عنک العناء ، وأعط القوس باريها ، فواللّه لو لا الحفّاظ الأكابر لخطبت الزّنادقة على المنابر ، ولئن خطب خاطب من أهل البدع فانّما هو بسيف الاسلام ، وبلسان الشّريعة ، وبجاه السّنّة ، وباظهار متابعة ما جاء به الرّسول صلّى اللّه عليه وسلّم فنعوذ باللّه من الخذلان .

''ہم ائمہ جرح و تعدیل کی معصومیت کے مدعی نہیں، لیکن وہ سب سے زیادہ درست اور صحیح بات کو پانے والے تھے، خطا ان میں نادر و کمیاب تھی، وہ سب سے بڑھ کر انصاف پسند تھے، وہ تعصب سے کوسوں دور تھے، جب وہ جرح و تعدیل میں یک زبان ہوں تو اس کو مضبوطی سے پکڑ، ڈاڑھیں اس پر جما لے، اس سے تجاوز ہرگز نہ کرنا، ورنہ نادم اور پشیمان ہوگا، البتہ ان کے شذوذ کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا تو اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈال، بلکہ (جرح و تعدیل) جس کا کام ہے، اسی کو سونپ دے، اللہ کی قسم! اگر اکابر حفاظ نہ ہوتے تو بے دین

لوگ منبروں پر دندناتے پھرتے ،اگر کوئی (اہلِ سنت)اہلِ بدعت سے مخاطب ہوتا تو اسلام کی تلوار،شریعت کی زبان ،سنت کی شان اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائے ہوئے مذہب کی پیروی کے ساتھ (مخاطب) ہوتا ہے،ہم ذلت ورسوائی سے اللہ تعالی کی پناہ طلب میں آتے ہیں ۔'' (سیر اعلام النبلاء : ١١ /٨٢)

یہاں پر بطورِ فائدہ عرض ہے کہ امام ابوحنیفہ باتفاقِ محدثین مجروح ہیں،ان کے حق میں باسندِ صحیح توثیق کا ایک کلمہ بھی کسی ایک ثقہ امام سے ثابت نہیں ۔ومن یدعی فعلیہ الدلیل !

لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ حافظ ذہبی کی نصیحت قبول کر لیں ،ورنہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

فائدہ :

تعصب کا مطلب ہے، بے جا طرف داری،ہٹ دھرمی ،بات صحیح ثابت ہو جانے پر بھی نہ ماننا۔

(دیکھیں القاموس الوحید : ١٠٨٧)

جو لوگ محدثینِ کرام کے خلاف زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے ان کو متعصب گردانتے ہیں ، ان کے بارے میں امام احمد بن سنان الواسطی رحمہ اللہ (م ٢٥٦ھ)فرماتے ہیں:

لیس فی الدّنیا مبتدع الّا وھو یبغض أھل الحدیث ، واذا ابتدع الرّجل نزع حلاوۃ الحدیث من قلبہ .

''دنیا میں کوئی بدعتی ایسا نہیں جو اہلِ حدیث (محدثین) سے بغض وعناد نہ رکھتا ہو، جب کوئی شخص بدعتی ہو جاتا ہے تو حدیث کی حلاوت ومٹھاس اس کے دل سے سلب کر لی جاتی ہے ۔''

(معرفة علوم الحدیث للحاکم : ٤ ، شرف اصحاب الحدیث للخطیب : ٧٣ ، وسندہٗ صحیح)

قارئین کرام !اہلِ حدیث کی دو قسمیں ہیں :ایک وہ لوگ جو سماع وکتابتِ حدیث اور روایتِ حدیث میں مشغول رہتے ہیں ، دوسرے وہ لوگ جو حدیث کی حفاظت کرتے ہیں ،اس کی معرفت وفہم کی دولت سے مالا مال ہیں،ظاہری وباطنی طور پر محدثین کے پیروکار ہیں،جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے ۔

(مجموع الفتاوی لابن تیمیة : ٤ /٩٥)

سوچنے کی بات ہے کہ اگر محدثین کرام راہِ راست اور حق پر ہیں تو ان کے پیروکار حق پر کیوں نہیں؟

اس پرفتن دور میں طائفہ منصورہ اہلحدیث کی حدیثی خدمات کو ڈاکٹر خالد محمود دیو بندی یوں سراہتے ہیں:

''جماعتِ اہلحدیث سے ہمیں تحقیقاتِ حدیث میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو،لیکن اس بات کا انکار

نہیں کیا جاسکتا کہ پچھلی صدی میں اپنی بے بضاعتی کے باوجود حدیث کے جھنڈے انہی لوگوں نے قریہ قریہ اور شہر شہر اٹھائے ہیں، اس وقت نہ انہیں کوئی بیرونی امداد حاصل تھی، جس کے سہارے ان کی بڑی بڑی بلڈنگیں اور تنظیمیں بنی ہوں، بس ایک ولولہ اور جذبہ تھا جو ان کے عوام کو ہر جگہ تراجم حدیث اٹھائے لیے پھرتا تھا۔''

(آثار الحدیث : ۲/ ۲۳)

ہمارا عقیدہ اور عمل محدثین کے عقیدہ و عمل کے مطابق ہے، یہ اہلحدیث کے اہلِ حق ہونے پر دلیلِ قاطع اور برہانِ عظیم ہے۔

اس کے برعکس آلِ تقلید نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے، وہ ناقابلِ بیان ہے، جیسا کہ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی صاحب (۱۲۶۹۔۱۳۴۸ھ) لکھتے ہیں:

''ہمارے مشائخ اور ہماری ساری (دیوبندی) جماعت بحمداللہ فروعات میں مقلد ہیں مقتدائے خلق حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اور اصول و اعتقادات میں پیرو ہیں امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی رضی اللہ عنہما کے۔'' (المهند علی المفند از خلیل احمد : ۲۹)

انصاف شرط ہے! یہ لوگ امام ابوحنیفہ کے عقائد واصول چھوڑنے کے باوجود ''پکے حنفی'' ہیں، لیکن اگر ہمارا ایک آدھ اجتہادی مسئلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ سے اختلاف ہو تو آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

دراصل انصاف کو ان لوگوں سے شکوہ ہے کہ یہ اس کا ساتھ نہیں دیتے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے امام صاحب کے اصول وعقائد چھوڑ کر دوسروں کا عقیدہ کیوں اختیار کیا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب کا عقائد واصول صحیح نہیں ہوں گے، ورنہ ان کو ''امامِ اعظم'' ماننے کے باوجود ان کے عقائد واصول چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر جس کا اصول وعقیدہ صحیح نہ ہو، اس کے فروع کا کیا اعتبار؟؟

فروعات کا جو خون کرتے ہیں، وہ بھی کسی پر مخفی نہیں ہے، اس کی بیسیوں نہیں، سینکڑوں ہزاروں مثالیں ہیں، ایک مثال تقی عثمانی صاحب نے یہ بیان کی ہے:

''مزارعت امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، لیکن فقہائے حنفیہ نے امام صاحب کے مسلک کو چھوڑ کر تناسب حصہ پیداوار کی مزارعت کو جائز قرار دیا ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت : ۱۰۸)

☆☆............☆☆............☆☆

قارئین کے سوالات

غلام مصطفٰی ظہیر امن پوری

سوال نمبر ① کیا ایامِ مخصوصہ سے پاک ہونے کے بعد غسل سے پہلے صحبت داری درست ہے؟

جواب: اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾(البقرہ:۲۲۲)

''وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، فرما دیجئے کہ وہ ناپاکی ہے، تم دورانِ حیض عورتوں سے علیحدہ رہو (جماع نہ کرو)، پاک ہونے تک (جماع کی نیت سے) ان کے قریب نہ جاؤ، جب وہ (نہا کر) اچھی طرح پاک ہو جائیں، تو حکمِ الٰہی کے مطابق ان کے پاس آؤ۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقد اتّفق العلماء علىٰ أنّ المرأة إذا انقطع حيضها لا تحلّ حتىٰ تغتسل بالماء أو تتيمّم إن تعذّر ذٰلک عليها بشرطه، إلاّ أنّ أبا حنيفة رحمه اللّٰه....

''علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت خونِ حیض رکنے کے بعد اس وقت تک مرد کے لیے حلال نہیں ہوتی، جب تک پانی سے غسل نہ کر لے یا مجبوری کی صورت میں تیمّم نہ کر لے، سوائے ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے (وہ غسل کو ضروری خیال نہیں کرتے)۔''(تفسیر ابن کثیر:۱/۳۵۰)

معلوم ہوا کہ اس آیت میں ﴿حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ سے مراد ''خونِ حیض کا رکنا'' اور ﴿فَاِذَا تَطَهَّرْنَ﴾ سے مراد ''غسل کرنا'' ہے، جلیل القدر تابعی عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اذا انقطع عنها الدّم فلايأتيها حتىّٰ تطهر، فإذا طهرت فليأتها كما أمر اللّٰه .

''جب عورت کا خونِ حیض رک جائے تو بھی غسل کرنے تک اس کا خاوند (جماع کے لیے) اس کے پاس نہ آئے، جب وہ غسل کر چکے، تو حکمِ الٰہی کے مطابق اس سے صحبت کر لے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ:۱/۹۶،۹۷، وسندهٔ حسن)

عظیم تابعی مجاہد بن جبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا يقربها زوجها حتىّٰ تغتسل .

''جب تک وہ (حائضہ) غسل نہ کرے، اس کا خاوند، (بنیتِ جماع) اس کے قریب نہ جائے۔''

(سنن دارمی:۱۱۱۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۹٦/۱، وسندہٗ صحیح)

امام مکحول تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا یغشی الرّجل المرأة إذا طهرت من الحیضة حتّی تغتسل .

''عورت کے حیض سے پاک ہونے کے بعد غسل کرنے سے پہلے مرد جماع نہیں کرسکتا۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۹٦/۱، وسندہٗ صحیح)

امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے اس بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا:

لا، حتیّٰ تغتسل . ''نہیں! غسل سے پہلے (جماع درست نہیں)۔''

(سنن دارمی: ۱۱۲۷، وسندہٗ صحیح)

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (م ۳۲۱ھ) لکھتے ہیں:

ولا نعلم فی هٰذا التّأویل اختلافاً بین أهل العلم، وانقطاع الدّم لیس بطهر فی نفسه لأنّها وإن خرجت به من الحیض فإنّها غیر مباح لزوجها جماعها وغیر مباح لها الصّلاة والطّواف بالبیت حتیٰ تغتسل بالماء أو تیمّم بالصّعید عند عدم الماء...

''ہمارے علم کے مطابق اس تفسیر (تطهّرن سے مراد غسل کرنا ہے) میں اہلِ علم کا کوئی اختلاف نہیں، خون کا رُکنا بذاتِ خود پاکی نہیں ہے، کیونکہ خون رکنے سے وہ حیض سے تو نکل گئی ہے، لیکن خاوند کے لیے اس سے جماع جائز نہیں، اسی طرح نماز اور بیت اللہ کا طواف بھی جائز نہیں، تا آنکہ پانی سے غسل نہ کرلے یا پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم نہ کرلے۔'' (أحکام القرآن للطحاوی: ۱۲۷/۱)

امام ابن المنذر رحمہ اللہ (م ۳۱۸ھ) رقمطراز ہیں:

والّذی به أقول ما علیه جمل أهل العلم، أن لّا یطأ الرّجل زوجتهٗ إذا طهرت من المحیض حتیّٰ تطهر بالماء، واللّٰه أعلم .

''میرا وہی مذہب ہے، جو تمام اہلِ علم کا ہے کہ مرد اپنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہیں کرسکتا، جب تک وہ پانی سے (غسل کرکے) طہارت حاصل نہ کرلے۔'' (الأوسط لابن المنذر: ۲۱۵/۲)

کسی صحابی یا تابعی سے اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں

سوال نمبر ② اگر نماز کے وقت میں عورت کو حیض آجائے تو کیا کرے؟

جواب: نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد عورت نے سستی اور کاہلی کی وجہ سے نماز کو مؤخر کیا یہاں تک کہ وقت ہی نکل گیا اور پہلے حیض آ گیا، تو قضائی دے گی، جیسا کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ اور امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إذا حاضت فی وقت صلاۃ، فلیس علیھا قضاء تلک الصّلوٰۃ، الّا أن یکون الوقت قد ذھب .

''نماز کے وقت حیض آ گیا، تو اس پر اس نماز کی قضائی نہیں، الّا یہ کہ (اس کی سستی کی وجہ سے) وہ وقت نکل گیا۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۳۹/۲، وسندہٗ صحیح)

فائدہ : نماز کا وقت ختم ہونے سے اتنی دیر پہلے حیض سے پاک ہوئی، جس میں غسل اور نماز ممکن نہ ہو، تو بھی نماز کی قضائی دے گی۔

سوال نمبر ③ غروبِ آفتاب سے پہلے یا طلوعِ فجر سے پہلے حیض سے پاک ہوئی تو کیا کرے گی؟

جواب: اگر غروبِ آفتاب سے پہلے حیض سے پاک ہوئی، تو نمازِ عصر ادا کرے گی، اگر طلوعِ فجر سے پہلے حیض سے پاک ہوئی، تو اس پر نمازِ عشاء کی ادائیگی نہیں ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر غروبِ آفتاب سے پہلے پاک ہوئی ہے، تو وہ ظہر وعصر ادا کرے گی، اگر طلوعِ فجر سے پہلے پاک ہوتی ہے، تو وہ مغرب وعشاء ادا کرے گی، وہ یہ حجت پکڑتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا ہے، جب کسی صورت میں ظہر کا وقت عصر کو شامل ہو گیا اور عصر کا وقت ظہر کو شامل ہو گیا، تو عورت کے عصر کے وقت میں پاک ہونے کی صورت میں بھی اس پر ظہر وعصر دونوں کی ادائیگی ضروری ہوگی، ان کے ردّ وجواب میں حافظ ابن المنذر رحمہ اللہ (م۳۱۸ھ) لکھتے ہیں: **الوقت الّذی جمع النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم بین الصّلاتین فیہ خلاف الوقت الّذی یبقی من النّھار مقدار ما یصلّی فیہ المرء رکعۃ، لأنّ الوقت الّذی أباحت السّنّۃأن تجمع فیہ بین الصّلاتین ھما إذا صلّاھما فی وقتھما کجمعۃ بعرفۃ بین الظّھر والعصر، وبالمزدلفۃ بین المغرب والعشاء، وفی غیر موضع من أسفار، وکلّ ذٰلک مباح یجوز الاقتداء..**

''جس وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نمازوں کو جمع کیا ہے، اس میں اور غروبِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت پڑھنے کے برابر وقت میں کوئی مطابقت نہیں، کیونکہ جس صورت میں سنت نے جمع بین

الصّلاتین کو جائز قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں کو ایک کے وقت میں ادا کیا جائے، جیسا کہ عرفات میں ظہر و عصر اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء، نیز سفر میں ہر جگہ جمع کیا جا سکتا ہے، یہ سب جائز ہے، کیونکہ ایسا کرنے والا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی وجہ سے سنت کا پیروکار ہے، جبکہ غروبِ آفتاب سے ایک رکعت ادا کرنے کی مقدار پہلے حیض سے پاک ہونے والی عورت کی اور صورت ہے، کیونکہ ایک آدمی ظہر وعصر کو بغیر عذر کے لیٹ کرتا ہے، جب سورج غروب ہونے سے ایک رکعت کی ادائیگی جتنا وقت رہ جاتا ہے، وہ دونوں نمازوں کو جمع کر کے ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے اور باقی سات غروب کے بعد پڑھتا ہے، تو تمام اہل علم کے اتفاق سے وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور گنہگار ہوگا، جب ایسے ہے، تو دو نمازوں کو جمع کرنے اور جمع سے ممنوعہ اوقات کو ایک ہی حکم دینا ناجائز ہوا، نیز اہلِ علم کا اجماع ہے کہ حائضہ عورت پر نماز فرض نہیں ،البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عصر کے آخری وقت میں پاک ہوگئی، تو کیا کرے گی، نمازِ عصر کے وجوب پر تو اتفاق ہوگیا اور ظہر کے بارے میں اختلاف رہا، اب اختلاف کی صورت میں بغیر دلیل کے اس عورت پر ظہر کی نماز واجب کہنا ناجائز ہے، نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

من أدرک رکعة من العصر قبل غروب الشّمس فقد أدرک العصر .

''جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت بھی پالی، تو اس نے نمازِ عصر پالی۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف عصر کو پانے والا ہے، ظہر کو نہیں۔''

(الأوسط لابن المنذر: ۲/۲۴۴۔۲۴۵)

☆☆......☆☆......☆☆

اذان اور اقامت کے درمیان قبولیتِ دعا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدعوة لا ترد بین الاذان و الاقامة ، فادعوا .

''اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی، لہٰذا (اس وقت میں) دعا کرو!''

(مسند الامام احمد : ۳ /۲۲۵، وسندهٗ صحیح)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۴۲۷) اور امام الضیاء المقدسی (۱۵۶۳) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

☆☆..........☆☆..........☆☆

دفن کے بعد میت کو قبر پر تلقین کرنا

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

دفن کرنے کے بعد میت کو تلقین کرنا بدعت سیئہ اور قبیحہ ہے، قرآن وحدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور ثقہ تابعین عظام رحمہم اللہ سے یہ فعل قطعاً ثابت نہیں، یہ کامل واکمل دین میں اضافہ اور زیادتی ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی ہے:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـاَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُـوْا لاَ تُـقَـدِّمُـوْا بَيْـنَ يَـدَىِ الـلّٰـهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰـهَ اِنَّ اللّٰـهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (الحجرات : ۱)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''

یاد رہے کہ دفن کے بعد میت کو تلقین کرنا کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہیں ہے، اہلِ بدعت کے دلائل کا علمی وتحقیقی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر ۱ :

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لقّنوا موتاکم لا اله الّا اللّٰه .

''اپنے قریب الموت لوگوں کو **لا الـه الّا اللّٰه** کی تلقین کرو۔'' (مسند الامام احمد : ۳ /۳، صحیح مسلم : ۱ /۳۰۰، ح : ۹۱٦، سنن ابی داوٗد : ۳۱۱۷، سنن ترمذی : ۹۷٦، سنن نسائی : ۱۸۲۸، سنن ابن ماجه : ۱٤٤٥)

تبصرہ :

۱☆ اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ تلقین قریب الموت انسان کو کی جائے گی، نہ کہ مردہ کو، جیسا کہ خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے ثابت ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

انّ رسـول الـلّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم عاد رجلا من الانصار ، فقال : يا خال ! قل : لا اله الّا اللّٰه ، قال : خال أم عمّ ؟ قال : بل خال ، قال : وخير لي أن أقولها ؟ قال : نعم .

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری آدمی کی تیمارداری کی، فرمایا، اے ماموں جان! لا الہ الا اللہ کہہ دیں، اس نے کہا، ماموں یا چچا؟ فرمایا، بلکہ ماموں، اس نے کہا، کیا یہ (لا الہ الا اللہ) کہنا میرے لیے بہتر ہوگا؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔'' (مسند الامام احمد : ۳ /۲٦۸، ح : ۱۳۸٦۲، وسندہٗ صحیح)

حافظ ہیثمی کہتے ہیں: رواه أبو يعلىٰ (۳۵۱۲) والبزّار (۷۸۷)، ورجاله رجال الصّحيح .

''اس حدیث کو امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے بیان کیا ہے اور اس کے راوی صحیح (بخاری) کے راوی ہیں۔'' (مجمع الزوائد : ۲ /۳۲۵)

بوصیری کہتے ہیں: رواه أبو يعلىٰ والبزّار بسند صحيح . (اتحاف المهرة : ۳ /۱۸۸)

۲☆ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث پر یوں باب قائم فرماتے ہیں:

باب ما جاء في تلقين المريض عند الموت والدّعاء له عنده .

''مریض کو موت کے وقت (لا الہ الا اللہ کی) تلقین کرنے اور اس کے لیے دعا کرنے کا بیان۔''

نیز لکھتے ہیں:

وقد كان يستحبّ أن يلقّن المريض عند الموت قول لا اله الّا اللّٰه ، وقال بعض أهل العلم: اذا قال ذٰلک مرّة ، فما لم يتكلّم بعد ذٰلک فلا ينبغي أن يلقّن ، ولا يكثر عليه في هٰذا .

''موت کے وقت مریض کو لا الہ الا اللہ کہنے کی تلقین کرنا مستحب ہے، بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ آدمی ایک مرتبہ کہہ دے تو جب تک وہ اس کے بعد کلام نہ کرے، اسے تلقین نہ کرنی چاہیے، نہ ہی اسے زیادہ کہنا چاہیے۔'' (جامع ترمذی، تحت حدیث : ۹۷۷)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے:

ذكر الأمر بتلقين الشّهادة من حضرته المنيّة .

''قریب المرگ کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرنے کے حکم کا بیان۔'' (صحیح ابن حبان، قبل حدیث : ۳۰۰۳)

حافظ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی (۵۷۸-٦۵٦ھ) لکھتے ہیں:

قوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم : لقّنوا موتاكم لا اله الّا اللّٰه ، أي قولوا لهم ذٰلک وذكّروهم به عند الموت وسمّاهم صلّى اللّٰه عليه وسلّم موتى ، لأنّ الموت قد حضرتهم ، وتلقين الموتى هذه الكلمة سنّة مأثورة ، عمل به المسلمون ، وذٰلک ليكون آخر كلامه : لا اله الّا اللّٰه ، فيختم

لـه بـالسّـعادة ، وليدخل في عموم قوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم : من كان آخر كلامه : لا اله الّا اللّٰه دخل الجنّة .

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت ان کو یاد دلاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب الموت لوگوں کو مردہ کہہ دیا ہے، کیونکہ موت ان کے پاس حاضر ہو چکی ہوتی ہے، مرنے والوں کو اس کلمہ کی تلقین کرنا سنتِ ماثورہ ہے، مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ مرنے والے کی آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو جائے، یوں اسی کلمہ پر اس کا خوش بختی کے ساتھ خاتمہ ہو جائے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمومی فرمان میں داخل ہو جائے کہ جس کی آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو جائے، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔''

(المفهم : ۲ /۵٦۹۔۵۷۰، نیز دیکھیں زهر الربی للسیوطی : ۵۱٤)

حافظ نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

معـنـاه مـن حـضـره الـمـوت ، والـمراد ذكّروه لا اله الّا اللّٰه ، لتكون آخر كلامه كما في الـحديث (سنن أبي داوٗد : ۳۱۱٦ ، وسندهٗ حسن وصحّحه الحاكم (۳۵۱/۱) ووافقه الذّهبيّ، وقـال ابـن الملقّن(البدر المنير : ۱۸۹/۵) : صـحـيـح): مـن كان آخر كلامه لا اله الّا اللّٰه دخل الجنّة ، والأمر بهذا التّلقين أمر ندب ، وأجمع العلماء على هٰذا التّلقين .

''اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قریب المرگ ہو اسے لا الہ الا اللہ یاد کروائیں، تاکہ اس کی آخری کلام یہی ہو جائے، جیسا کہ حدیث (سنن ابی داؤد: ۳۱۱٦، وسندہٗ حسن، اس حدیث کو امام حاکم (۳۵۱/۱) نے صحیح کہا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، حافظ ابن ملقن (البدر المنیر :۱۸۹/۵) بھی اسے صحیح قرار دیتے ہیں) کہ جس کی آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگئی، وہ جنت میں داخل ہو گیا، تلقین کرنے کا یہ حکم استحبابی ہے، علماء کا اسی (طریقہ) تلقین پر اجماع ہے۔'' (شرح صحيح مسلم : ۳۰۰/۱)

صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں: **المراد الّذي قرب من الموت .**

''اس سے قریب الموت مراد ہے۔'' (الهداية : ص ۱۳٦، كتاب الجنائز)

محشیٔ ہدایہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

دفع توهّم من يتوهّم أنّ المراد به قرأة التّلقين على قبر .

''اس سے اس انسان کا وہم دور کرنا مقصود ہے جو یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ قبر پر تلقین کرنا چاہیے۔''

علامہ سندھی حنفی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

المراد من حضره الموت ، لا من مات ، والتّلقين أن يذكر عنده ، لا أن يأمره به ، والتّلقين بعد الموت قد جزم كثير أنّه حادث ، والمقصود من هٰذا التّلقين أن يكون آخر كلامه لا اله الّا اللّٰه ، ولذٰلک اذا قال مرّة فلا يعاد عليه الّا أن تكلّم بكلام آخر .

''مراد قریب المرگ ہے، نہ کہ جو فوت ہو چکا ہے، تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے پاس کلمہ کا ذکر کیا جائے، نہ کہ اسے حکم دیا جائے، موت کے بعد تلقین کو بہت سے علماء نے بدعت قرار دیا ہے، اس تلقین سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مرنے والے کی آخری کلام یہی ہو، اسی لیے جب وہ ایک مرتبہ کہہ دے تو دوبارہ اسے تلقین نہیں کی جائے گی، الا یہ کہ وہ کوئی اور بات کرلے۔'' (حاشية السندي على النسائي : ٤/٥، تحت حديث : ١٨٢٧)

ابن الساعاتی حنفی (م۶۹۴ھ) لکھتے ہیں: **ونلقّه الآن ، لا بعد التّلحيد .**

''ہم اسے ابھی (موت سے پہلے) تلقین کریں گے، دفنانے کے بعد نہیں۔'' (مجمع البحرين : ١٧٢)

نیز لکھتے ہیں: **ولا يلقّن بعد تلحيده .** ''دفن کرنے کے بعد تلقین نہیں کی جائے گی۔''
(تنوير الابصار : ١١٩)

شیخی زادہ حنفی (م۱۰۷۶ھ) لکھتے ہیں: **وقال الأكثر الأئمّة المشائخ لا يجوز .**

''اکثر ائمہ و مشائخ کا کہنا ہے کہ یہ (قبر پر تلقین) جائز نہیں۔'' (مجمع الانهر : ١/ ٢٦٤)

علمائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہو گیا ہے کہ لا الہ الا اللہ کی تلقین قریب الموت آدمی کو کی جائے گی، نہ کہ میت کو دفنانے کے بعد، اس باوجود ''اہلِ بدعت'' مصر ہیں کہ یہ تلقین میت کو دفنانے کے بعد قبر پر کی جائے گی، اہلِ عقل کے لیے فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی کہ بدعات کے شیدائی کس طرح سینہ زوری سے کام لیتے ہیں اور بے دریغ جھوٹ بولتے ہیں؟

ابنِ عابدین شامی حنفی وغیرہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

''أمّا عند أهل السّنّة فالحديث لقّنوا موتاكم محمول على حقيقته ، وقد روى عنه عليه السّلام أنه أمر بالتّلقين بعد الدّفن ، فيقول : يا فلان ابن فلان ! اذكر دينک الّذى كنت عليها .

''اہلِ سنت کے نزدیک یہ حدیث لقّنوا موتاكم اپنے حقیقی معنیٰ پر محمول ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا ہے، پس قبر پر کہے کہ اے فلان کے بیٹے

فلاں! تو اس دین کو یاد کر جس پر قائم تھا۔'' (شامی باب الدفن ، بحث تلقین بعد الموت : ٦٢٨/١، الجوهرة النيرة : ١/ ٢٥٢)

ابنِ عابدین شامی حنفی صاحب نے ایک سانس میں بڑی بے باکی سے کئی جھوٹ بول دیئے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ اہلِ سنت نے اس حدیث کو حقیقی معنیٰ پر محمول کیا ہے، یہ اہلِ سنت پر کذب وافترا اور جھوٹ ہے، اگر ان کی مراد حنفی ''فقہاء'' ہوں تب بھی صحیح نہیں، گویا ان کے نزدیک صاحبِ ہدایہ اہلِ سنت سے خارج ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دفن کے بعد تلقین کا حکم قطعی طور پر ثابت نہیں ہے، مدعی پر دلیل لازم ہے، دفن کے بعد قبر پر تلقین شرعی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ بہت بعد کی ایجاد ہے، دراصل یہ لوگ دین کے حوالے سے حزم واحتیاط سے عاری ہیں، انہوں نے اپنی خواہشات کو دین بنا رکھا ہے، اس لیے ان کے مذہب کی بنیاد قیاس وباطل پر ہے، یہ پہلے مسئلہ گھڑتے ہیں، بعد میں شرعی دلائل کو توڑ مروڑ کر اس پر فٹ کرتے ہیں، یہی وہ فعلِ شنیع ہے، جس نے ان کو محدثینِ کرام سے کوسوں دور کر دیا ہے اور یہ شرعی نصوص میں لفظی ومعنوی تحریفات کے مرتکب ہوتے ہیں، سنت دشمنی ان کا مقدر ٹھہرا ہے، اس کے باوجود یہ اپنے تئیں اہلِ سنت کہنے سے نہیں تھکتے، یہ حیران وپشیمان پھرتے ہیں، سلف صالحین میں ان کا کوئی ہم خیال نہیں، ان کے علم سے جہالت بہتر ہے۔

احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

''اس حدیث کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ جو مر رہا ہو، اس کو کلمہ سکھاؤ، دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو، اس کو سکھاؤ، پہلے معنیٰ مجازی ہیں اور دوسرے حقیقی اور بلاضرورت معنیٰ مجازی لینا ٹھیک نہیں، لہٰذا حدیث کا یہ ہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ اور یہ وقت دفن کا ہے۔'' («جاء الحق» : ٣١١/١)

تبصرہ : تعذر نہ ہو تو حقیقی معنیٰ ہی لیا جاتا ہے، جب کوئی امر مانع موجود ہو تو حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی طرف جایا جاتا ہے، یہ بھی اسی قبیل سے ہے، یہاں حقیقی معنیٰ متعذر رہے، کیونکہ مردے میں تعلم واخذ کی صلاحیت نہیں ہوتی، لہٰذا یہاں بھی مجازی معنیٰ مراد ہے۔

نعیمی صاحب مزید لکھتے ہیں: ''اس حدیث اور ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دفنِ میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے۔'' («جاء الحق» : ٣١٢/١)

افسوس مسلمان بالاتفاق جس حدیث کو انسان کی قربِ موت والی حالت پر ہی محمول کریں، اس کو ''مفتی'' صاحب بغیر دلیل کے دفنِ میت کے بعد کی حالت پر محمول کر کے ایک بدعت کی سند دے رہے ہیں۔

جب وہ شامی وغیرہ کی عبارات صریح جھوٹ ہیں تو ان کی بنیاد پر استوار ہونے والا عمل کیسے حق ہوگا؟

دلیل نمبر ۳ : وعن ضمرة بن حبيب أحد التّابعين ، قال : كانوا يستحبّون اذا سوّى على الميّت قبره وانصرف النّاس عنه ، أن يقال عند قبره : يا فلان ! قل : لا اله الّا اللّٰه ، ثلاث مرّات ، يافلان ! قل : ربّى اللّٰه ودينى الاسلام ونبيّى محمّد صلّى اللّٰه عليه وسلّم .

''ایک تابعی ضمرہ بن حبیب کہتے ہیں، جب میت پر قبر کو برابر کر دیتے تھے اور لوگ واپس چلے جاتے تھے تو وہ اس کی قبر کے پاس یہ کہنا مستحب سمجھتے تھے، اے فلاں! تو لا الہ الا اللہ کہہ، (تین مرتبہ)، اے فلاں! تو کہہ کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

(سنن سعيد بن منصور ، بحواله بلوغ المرام : ٤٧١)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں ''اشیاخ من اہل حمص'' مجہول و نامعلوم ہیں، لہٰذا یہ نا قابلِ حجت اور نا قابلِ عمل ہے۔

تنبیہ : ''مفتی'' احمد یار خان نعیمی صاحب لکھتے ہیں:

''نکیرین میت سے تین سوال کرتے ہیں، اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری جالی والے سرسبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا أشهد أن لا الـه الّا اللّٰه ، دوسرے کا جواب ہوا حيّ على الصّلاة یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں، تیسرے کا جواب ہوا أشهد أن محمّدا عبده ورسوله ۔'' («جاء الحق» : ٣١٢/٨)

یہ واضح طور پر دینِ اسلام میں تحریف ہے، یہ کسی آیتِ کریمہ یا حدیثِ مبارکہ کا مفہوم نہیں، بلکہ صریح نصوص کی خلاف ورزی ہے، یہ غلو کا نتیجہ ہے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر پر سبز گنبد نہیں بنایا گیا تھا، اس وقت کیا یہ سوال پوچھا جاتا تھا؟ دراصل عقل و انصاف کو ان سے شکوہ ہے کہ وہ ان کا ساتھ نہیں دیتے۔

دلیل نمبر ٤ :

قال الامام الطّبرانى : حدّثنا أبو عقيل أنس بن سلم الخولانىّ ، ثنا محمّد بن ابراهيم بن العلاء الحمصىّ ، ثنا اسماعيل بن عيّاش ، ثنا عبد اللّٰه بن محمّد القرشىّ عن يحيى بن أبى كثير عن سعيد بن عبد اللّٰه الأودىّ ، قال : شهدتّ أبا أمامة ، وهو فى النّزع ، فقال : اذا أنا متّ فاصنعوا بى كما أمرنا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أن نصنع بموتانا ، أمرنا رسول اللّٰه صلّى

اللّٰه علیه وسلّم ، فقال : اذا مات أحد من اخوانکم فسوّیتم التّراب علی قبره ، فلیقم أحدکم علی رأس قبره ، ثمّ لیقل : یا فلان بن فلانة ! فانّه یقول : یا فلان بن فلانة ، فانّه یستوی قاعدا ، ثمّ یقول: یا فلان بن فلانة ، فانّه یقول : أرشدنا رحمک اللّٰه ، ولکن لا تشعرون ، فلیقل : اذکر ما خرجت علیه من الدّنیا ، شهادة أن لا اله الّا اللّٰه وأنّ محمّدا عبده ورسوله ، وانّک رضیت باللّٰه ربّا وبالاسلام دینا وبمحمّد نبیا وبالقرآن اماما ، فانّ منکرا ونکیرا یأخذ واحد منهما بید صاحبه، ویقول : انطلق بنا ما نقصد عند من قد لقّن حجّته ، فیکون اللّٰه حجیجه دونهما .فقال رجل : یا رسول اللّٰه ! فان لم یعرف أمّه قال : فینسبه الی حوّاء یا فلان بن حوّاء .

''سعید بن عبداللہ الاودی بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ وہ حالتِ نزع میں تھے، کہنے لگے، جب میں فوت ہوجاؤں تو میرے ساتھ اسی طرح کرنا جس طرح ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، آپ نے ہمیں حکم فرمایا تھا، جب تم میں سے کوئی فوت ہوجائے اور تم اس کی قبر پر مٹی برابر کر چکو تو تم میں سے ایک اس کی قبر کے سر کی جانب کھڑا ہو کر کہے، اے فلاں عورت کے بیٹے فلاں! جب وہ یہ کہے گا تو مردہ اٹھ کر بیٹھ جائے گا، پھر وہ کہے کہ اے فلاں عورت کے بیٹے فلاں! وہ کہے گا، اللہ تجھ پر رحم کرے، ہماری رہنمائی کر، لیکن تم یہ باتیں سمجھ نہیں سکتے، پھر کہے کہ تو اس بات کو یاد کر جس پر دنیا سے رخصت ہوا ہے، اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، تو اللہ کے رب ہونے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے، اسلام کے دین ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا، منکر اور نکیر میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے، چلو، جس آدمی کو اس کی حجت تلقین کر دی گئی ہے، اس کے پاس ہم نہیں بیٹھتے، چنانچہ دونوں کے سامنے اللہ تعالیٰ اس کا حامی بن جائے گا، ایک آدمی نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اگر وہ (تلقین کرنے والا) اس (مرنے والے) کی ماں کو نہ جانتا ہو تو (کیا کرے)؟ فرمایا، وہ اسے حوّاء کی طرف منسوب کر کے کہے، اے حواء کے فلاں بیٹے!''

(المعجم الکبیر للطبرانی : ۸/۲۵۰، ح : ۷۹۷۹)

تبصرہ : یہ روایت سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

۱☆ اس کی سند میں محمد بن ابراہیم بن العلاء الحمصی ہے، جس کے بارے میں محمد بن عوف کہتے ہیں:

کان یسرق الحدیث . ''یہ حدیثیں چوری کرتا تھا'' (الکامل لابن عدی : ۶/ ۲۸۸)

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی اس پر کلام کی ہے، اس کے بارے میں ادنیٰ کلمۂ توثیق بھی ثابت نہیں۔

۲☆ امام طبرانی رحمہ اللہ کے استاذ انس بن مسلم ابو عقیل کے حالات نہیں مل سکے۔

۳☆ اس روایت کا ایک راوی عبداللہ بن محمد القرشی غیر معروف راوی ہے۔

۴☆ سعید بن عبداللہ الاودی کی توثیق نہیں مل سکی، اسی لیے حافظ ہیثمی فرماتے ہیں:

وفی اسناده جماعة لم أعرفهم . ''اس کی سند میں کئی راویوں کو میں نہیں جان پایا۔''

(مجمع الزوائد : ۳/۴۵)

۵☆ اسماعیل بن عیاش کی روایت (جمہور کے نزدیک) حجازیوں سے ''ضعیف'' ہوتی ہے۔

(نتائج الافکار لابن حجر : ۱۱۲، النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر : ۲/ ۷۲۲)

یہ روایت بھی حجازیوں سے ہے، لہٰذا ''ضعیف'' ہے۔

۶☆ یحییٰ بن ابی کثیر ''مدلس'' ہیں جو کہ ''عن'' سے بیان کر رہے ہیں، سماع کی تصریح ثابت نہیں۔

لہٰذا حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **اسنادهٔ صالح ، وقد قوّاه الضّیاء فی أحکامه .** (اس کی سند صالح، یعنی حسن ہے، امام الضیاء نے اسے اپنی کتاب احکام میں قوی کہا ہے)۔(التلخیص الحبیر : ۲/ ۱۳۵۔۱۳۶، ح : ۷۹٦) صحیح نہیں ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **واسنادهٔ ضعیف ، وقال ابن الصّلاح : لیس اسنادهٔ بالقائم .**

''اس کی سند ضعیف ہے اور ابن الصلاح نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح نہیں۔'' (شرح المهذب : ۵/۳۰٤)

حافظ عراقی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔(تخریج الاحیاء : ٤/٤٢٠)

علامہ صنعانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **ویتحصّل من کلام أئمّة التّحقیق أنّه حدیث ضعیف ، والعمل به بدعة ، ولا یغترّ بکثرة من یفعله .**

''محققین ائمہ کی کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت ہے، اس بدعت کو اختیار کرنے والوں کی کثرت کو دیکھ کر دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔'' (سبل السلام : ۲/ ۱٦۱)

اس کا ایک شاہد قاضی الخلعی کی کتاب ''الفوائد (۲/۵۵)، بحوالہ الضعیفۃ للالبانی'' میں ہے، اس کی سند موضوع (من گھڑت) ہے، محدث البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا حدیث ضعیف جدا ، لم اعرف احدا منهم غیر عتبة بن السکن ، قال الدارقطنی :

متروک الحدیث ، وقال البیهقی : واہ ، منسوب الی الوضع .

''یہ حدیث سخت ضعیف ہے، میں ان (راویوں) میں سے عتبہ بن السکن کے علاوہ کسی کو بھی نہیں جانتا اوراس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا ہے کہ متروک الحدیث ہے اور امام بیہقی نے اسے سخت ضعیف اور احادیث گھڑنے کی طرف منسوب قرار دیا ہے۔''(سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة للالبانی : ح ۵۹۹)

خوب یاد رہے کہ دفن کے بعد میت کو تلقین کرنے والی بدعت میں دیوبندی اور بریلوی دونوں متفق ہیں، اس بدعت کے دفاع میں جناب محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''البتہ دفن کے بعد تلقین کرنا عندالقبر (قبر کے پاس) ہے، مگر وہ تو والدّعاء عندها قائما کی مد میں ہے، جو سنت سے ثابت ہے۔''(«راہِ سنت» : ۲۲۸)

دیوبندیوں نے قبر پر تلقین کو دعا پر قیاس کیا اور بریلویوں نے قبر پر اذان کو اس تلقین پر قیاس کرلیا، حالانکہ عرفاً وشرعاً نہ تلقین دعا ہے اور نہ اذان تلقین ہے، شریعتِ اسلامیہ میں نہ قبر پر اذان ثابت ہے اور نہ ہی دفن کے بعد قبر پر تلقین ہی ثابت ہے، لہٰذا ایک بے اصل چیز کو دوسری بے اصل چیز پر قیاس کرنا اہلِ بدعت کا ہی شیوہ ہوسکتا ہے۔

تلقین اور ائمہ محدثین

أبو جعفر التّستریّ یقول : حضرنا أبا زرعة ، وهو فی السّیاق ، وعنده أبوحاتم ومحمّد بن مسلم (وارة) والمنذر بن شاذان وجماعة من العلماء ، فذکروا حدیث التّلقین وقوله صلّی اللّٰه علیه وسلّم : لقّنوا موتاکم : لا اله الّا اللّٰه ، فاستحیوا من أبی زرعة ، وهابوا أن یلقّنوه ، فقالوا : تعالوا نذکر الحدیث ، فقال : محمّد بن مسلم : نا ضحّاک بن مخلد عن عبدالحمید بن جعفر عن صالح ، ولم یجاوز ، وقال المنذر : نا بندار نا أبوعاصم عن عبدالحمید عن صالح ، ولم یجاوز ، والباقون سکتوا ، فقال أبو زرعة ، وهو فی السّوق : نا بندار ، نا أبو عاصم ، نا عبدالحمید بن جعفر عن صالح بن أبی عریب عن کثیر بن مرّة عن معاذ بن جبل قال : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : من کان آخر کلامه لا اله الّا اللّٰه دخل الجنّة ، وتوفّی .

''ابوجعفر تستری بیان کرتے ہیں کہ ہم امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کے پاس آئے، وہ حالتِ نزع میں تھے، ان کے پاس امام ابوحاتم، محمد بن مسلم (وارہ)، منذر بن شاذان اور کئی دوسرے علمائے کرام تشریف فرما تھے،

انہیں تلقین والی حدیث یاد آئی، لیکن وہ امام ابوزرعہ (کی جلالتِ علمی کی وجہ سے ان) کو تلقین کرنے سے شرما گئے، لہٰذا انہوں نے کہا، آؤ حدیث کا مذاکرہ کریں، چنانچہ محمد بن مسلم نے یوں سند بیان کرنا شروع کی، ہمیں ضحاک بن مخلد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں، ہمیں ابوعاصم نے عبدالحمید بن جعفر عن صالح کی سند سے بیان کیا، یہاں پہنچ کر محمد بن مسلم رک گئے، آگے بیان نہ کر سکے، منذر بن شاذان کہنے لگے، ہمیں بندار نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں ابوعاصم نے عبدالحمید سے اوران کو صالح نے بیان کیا، وہ بھی اس سے آگے نہ بیان کر سکے، باقی سب خاموش ہو گئے، تو امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرمانے لگے، ہمیں بندار نے حدیث بیان کی، ان کو ابوعاصم نے، ان کو عبدالحمید بن جعفر نے، ان کو صالح بن ابی عریب نے حدیث بیان کی، وہ کثیر بن مرہ سے اور وہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من كان آخر كلامه لا اله الّا اللّٰه دخل الجنّة .

''جس کی آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگئی، وہ جنت میں داخل ہوگیا۔''

اس کے ساتھ ہی وہ فوت ہو گئے۔''

(معرفة علوم الحديث للحاكم : ص ٧٦، تاريخ بغداد : ١٠/ ٣٢٥، تقدمة الجرح والتعديل : ٣٤٥-٣٤٦ بأسانيد صحيحة)

امام ابراہیم نخعی کہتے ہیں: **لمّا ثقل علقمة قال : أقعدوا عندى من يذكّرنى لا اله الّا اللّٰه .**

''جب علقمہ تابعی رحمہ اللہ سخت بیمار ہو گئے تو فرمایا، میرے پاس ایک آدمی بٹھاؤ جو مجھے لا الہ الا اللہ یاد کرواتا رہے۔'' (مصنف ابن ابی شيبة : ٢٣٦/٣، وسندهٔ صحیح)

عـن ابـرهيم : فى الرّجل اذا مرض ، فثقل ، قال : كانوا يحبّون أن لاّ يخلوه ، ويعتقبونه اذا قام ناس ، جاء آخرون ويلقّونه : لا اله الّا اللّٰه .

''امام ابراہیم اس آدمی کے بارے میں جو بیمار ہو کر قریب الموت ہو جائے، فرماتے ہیں کہ وہ (گھر والے) اس کو اکیلا نہ چھوڑیں، باری باری اس کے پاس آتے رہیں، جب کچھ لوگ عیادت کر کے چلے جائیں تو دوسرے آجائیں اور اس کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کریں۔'' (مصنف ابن ابی شيبة : ٢٣٧/٣، وسندهٔ صحیح)

وقال الحسين الجعفىّ : دخلت على الأعمش أنا وزائدة فى اليوم الّذى مات فيه ، والبيت مـمتلئ من الرّجال ، اذ دخل شيخ ، فقال : سبحان اللّٰه ! ترون الرّجل ، وما هو فيه ، وليس منكم أحد يلقّنه ؟ فقال الأعمش هٰكذا ، فأشار بالسّبّابة وحرّك شفتيه .

''حسین جعفی نے بیان کیا کہ میں اور زائدہ دونوں امام اعمش کی وفات والے دن ان کے پاس حاضر

ہوئے، ان کا گھر مردوں سے بھرا ہوا تھا، اچانک ایک شیخ داخل ہوئے اور فرمایا، سبحان اللہ! تم سب اس شخص کو دیکھ رہے اور ان کی حالتِ (نزع) بھی ملاحظہ کر رہے ہو، تم میں سے کوئی انہیں تلقین نہیں کر رہا! پھر امام اعمش یوں کیا، انہوں (حسین الجعفی رحمہ اللہ) نے شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا اور ہونٹوں کو حرکت دی (یعنی انہوں نے فوت ہونے سے پہلے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا)۔''

(العلل ومعرفة الرجال برواية عبد الله بن احمد بن حنبل : ح ٣٦٢٧ وسندهٗ صحيح)

☆☆...........☆☆...........☆☆

عصر سے پہلے نماز کا ثبوت

ابوسعید

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رحم الله امرأً صلّى قبل العصر أربعاً .

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتا ہے۔''

(مسند الامام أحمد: ١١٧/٢، سنن أبي داؤد: ١٢٧١، سنن ترمذي:٤٣٠، وسندهٗ حسن)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۱۱۹۳) امام ابن حبان (۲۴۵۳) نے ''صحیح'' اور امام ترمذی نے ''حسن'' کہا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **كان النّبي صلى الله عليه وسلّم يصلّي قبل العصر أربع ركعات يفصل بينهنّ بالتّسليم على الملئكة المقرّبين ومن تبعهم من المسلمين والمؤمنين .**

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعات ادا فرماتے، ان میں مقرب فرشتوں اور ان کے بعد مسلمانوں مومنوں پر سلام بھیجتے، (تشہد پڑھنے) کے ساتھ فاصلہ کرتے۔''

(مسند الامام احمد: ٨٥/١، سنن ترمذي: ٤٢٩، سنن نسائي: ٨٧٥، سنن ابن ماجه: ١١٦١، وسندهٗ حسن)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۱۲۱۱، ۱۳۳۲) نے ''صحیح'' اور امام ترمذی نے ''حسن'' کہا ہے۔

سنن ابی داؤد (۱۲۷۲) وغیرہ میں عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کا بھی ذکر آیا ہے، یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ شاذ ہے، محفوظ وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔

اس نماز کی فضیلت کے بارے میں جتنی بھی احادیث ہیں، وہ ساری کی ساری ضعیف ہیں۔

☆☆...........☆☆...........☆☆

کھانت

ابن الحسن المحمدی

تعریف : کہانت علم غیب کے دعوی کا دوسرا نام ہے، مثلاً پیش آنے والے واقعات کی پہلے ہی خبر دینے کا دعوی کرنا کہانت ہے۔

کھانت جھوٹ پر مبنی ھوتی ھے :

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! بسا اوقات کاہن ہمیں کوئی بات بتاتے ہیں تو وہ سچ ہو جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تلک الکلمة الحقّ ، یخطفها الجنّیّ ، فیقذفها فی أذن ولیّه ، ویزید فیها مأة کذبة .

''یہ سچی بات ہوتی ہے، جسے جن چرا لیتا ہے، پھر اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے اور وہ اس میں سو جھوٹ ملاتا (اور آگے بتاتا) ہے۔''(صحیح مسلم : ۲۲۲۸)

کھانت کا حکم :

کہانت کفر و شرک ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أتی کاهنا أو عرّافا ، فصدّقه بما یقول ، فقد کفر بما أنزل علی محمّد .

''جو کاہن یا عراف کے پاس گیا، پھر اس کی بات کی تصدیق کی، اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ شریعت کا انکار کر دیا۔''(مسند الامام احمد : ۲/ ٤۲۹، السنن الکبرٰی للبیهقی : ۸/ ۱۳۵، وسندهٗ صحیح)

امام حاکم رحمہ اللہ (۸/۱) نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث کا ظاہر بتا رہا ہے کہ جب اس کے سچے ہونے کا اعتقاد رکھے گا تو کافر قرار پائے گا، خواہ وہ شیطان کی طرف سے یا الہام سمجھ کر اس کی سچائی کا قائل ہو، خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اکثر کاہن شیطانوں ہی سے مدد لے کر کہانت کرتے تھے۔''(تیسیر العزیز الحمید : ٤۰۹)

شیخ ابن السعدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اکثر کاہن جن کا شیطانوں سے رابطہ ہوتا ہے، شرک سے اور علم غیب کے دعوی کے لیے غیر اللہ کے تقرب سے بچ نہیں سکتے، لہٰذا یہ اس طرح بھی شرک ہے کہ اس علم میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے، جو اسی کے ساتھ خاص ہے اور اس طرح بھی کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔''(القول السدید : ۹٦-۹۷)